بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ ۲۰۱۹ء: پاکستان

انتظامی خلاصہ

آئین کی رو سے مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور یہ لازم ہے کہ تمام قوانین اسلام کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ آئین کی رو سے ہر شہری کو قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی پسند کے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی ترویج کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ آئین یہ بھی واضح کرتا ہے کہ قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) غیر مسلم ہیں۔ عدالتیں توہین رسالت ﷺ اور دیگر متعلقہ قوانین کا نفاذ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جن کی خلاف ورزی کی سزائیں عمر قید سے لے کر سزائے موت تک ہیں۔ سول سوسائٹی کی رپورٹس کے مطابق اس سال کے دوران میں چوراسی افراد توہین کے مقدمات میں قید تھے۔ جن میں سے انتیس افراد کو سزائے موت سنائی جا چکی ہے۔ اس کے مقابلے میں سال 2018ء کے دوران میں یہ تعداد ستتر اور اٹھائیس تھی۔ حکومت نے اب تک کسی کو توہین رسالت ﷺ کے جرم میں سزائے موت نہیں دی ہے۔ غیر سرکاری اداروں یعنی این جی اوز کی طرف سے مہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق پولیس نے دس افراد کے خلاف توہین کے مقدمات درج کئے ہیں۔ مسیحی تنظیموں اور ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ اگست اور ستمبر میں پولیس نے چار عیسائی افراد کو بدسلوکی اور تشدد کا نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں ایک شخص ہلاک ہو گیا۔ انتیس جنوری کو سپریم کورٹ نے آسیہ بی بی کی سزا ختم کرنے کے 2018ء والے فیصلے کو برقرار رکھا۔ آسیہ بی بی ایک عیسائی خاتون ہے جسے 2010ء میں توہین رسالت ﷺ کے جرم میں سزائے موت سنائی گئی تھی۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد چونکہ آسیہ بی بی کو قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں اس لئے وہ سات مئی کو ملک چھوڑ گئی۔ پچیس ستمبر کو سپریم کورٹ نے ایک ایسے شخص کی سزا ختم کرنے کا فیصلہ دیا۔ جو توہین رسالت ﷺ کے جرم میں گذشتہ اٹھارہ برس سے جیل میں قید تھا۔ اکیس دسمبر کو ملتان کی ایک عدالت نے توہین رسالت ﷺ کے جرم میں تقریباً سات برس سے مقدمہ کے فیصلے کے انتظار میں قید انگریزی زبان و ادب کے لیکچرار جنید حفیظ کو سزائے موت سنائی۔ این جی اوز مسلسل یہ اطلاعات دے رہی ہیں کہ نچلی عدالتیں اکثر و بیشتر توہین رسالت ﷺ کے مقدمات میں درکار شواہد کی پرواہ نہیں کرتیں۔ احمدی کمیونٹی کے رہنما مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ امتیازی اور غیر واضح قانون سازی اور عدالتی فیصلوں کی وجہ سے اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے 2018ء کے ایک فیصلے کا حوالہ دیتے ہیں جس کی رو سے کچھ سرکاری ادارے قادیانی احمدیوں کو قومی شناختی کارڈ جاری کرنے سے گریزاں ہیں۔ پورے سال کے دوران میں کچھ سرکاری حکام اور سیاست دان احمدیوں کے خلاف اکسانے والی تقاریب میں شرکت کرنے اور تقاریر کرنے میں مصروف رہے ہیں۔ این جی اوز اس تشویش کا اظہار بھی کرتی رہی ہیں کہ اکثر و بیشتر حکام عدم دلچسپی، افرادی قوت کی قلت اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف اجتماعی کاروائیاں کرنے والوں کے خوف سے موثر اقدامات اٹھانے میں ناکام رہے ہیں۔ مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد اور زیادتیوں کا ارتکاب کرنے والے لوگ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی عدم دلچسپی، ملزمان کی طرف سے رشوت کی پیشکش اور متاثرہ افراد پر مقدمات واپس لینے کے دباؤ کی وجہ سے قانون کی زد میں آنے سے بچ جاتے ہیں۔ تاہم مبینہ طور پر مذہبی اقلیتوں کی خواتین کے اغوا اور بزور مذہب تبدیل کرنے کے کچھ واقعات میں سرکاری حکام نے مغوی خواتین کا تحفظ یقینی بنانے اور اُن کی مرضی جاننے کے لئے مداخلت بھی کی۔ نو نومبر کو حکومت نے سکھوں کے ایک مقدس مقام گوردوارہ دربار صاحب کی تزئین و آرائش کر کے اس کا افتتاح کیا اور بھارت سے آنے والے سکھ یاتریوں کو ویزا فری کاریڈور مہیا کیا۔ مذہبی اقلیتوں کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ انہیں سرکاری سکولوں اور کالج یونیورسٹیوں کی سطح پر تعلیم کے حصول میں امتیازی سلوک کا سامنا ہے جس کی وجہ سے بہت ہی کم مذہبی اقلیتی اُمیدوار نجی اور سرکاری شعبہ کی ملازمتوں کے لئے درخواست دینے اور منتخب ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حکومت کی طرف سے انتہا پسندی کی وجہ سے کالعدم قرار دی جانے والی تنظیموں اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور دیگر حکومتوں کی طرف سے دہشت گرد قرار دی جانے والی تنظیموں کے ساتھ جڑے ہوئے مسلح فرقہ ورانہ گروہ شیعہ مسلمانوں خاص طور پر شیعہ ہزارہ کمیونٹی کو نشانہ بناتے رہے ہیں۔ تاہم ساؤتھ ایشیا ٹیررزم پورٹل کے مطابق گزشتہ برسوں کے مقابلہ میں مسلح فرقہ ورانہ گروپوں کے حملوں اور اُن کے نتیجہ میں ہونے والی ہلاکتوں میں بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ جبکہ مجموعی طور پر دہشت گردی کے واقعات میں بھی کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ بارہ اپریل کو بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں شیعہ ہزارہ کو نشانہ بنانے کے ایک بم حملہ میں اکیس افراد جاں بحق ہوئے جن میں آٹھ شیعہ ہزارہ بھی شامل تھے۔ اس حملہ کی ذمہ داری لشکر جھنگوی، تحریک طالبان پاکستان اور داعش نے قبول کرنے کا دعویٰ کیا۔ تحریک طالبان پاکستان سے الگ ہونے والے ایک دہشت

گرد گروپ حزب الاحرار نے جنوبی ایشیاء کے سب سے بڑے صوفی مزار داتا دربار کے باہر تعینات پولیس پر حملہ کیا۔ جس میں نو افراد جاں بحق اور چوبیس زخمی ہوئے۔ حکومت دہشت گردی کے خلاف 2014ء کے نیشنل ایکشن پلان پر عمل پیرا ہے جس کے تحت انتہا پسندی اور فرقہ ورانہ نفرت انگیز تقاریر پر پابندی ہے اور دہشت گرد تنظیموں کے خلاف فوج اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں کی کاروائیاں جاری ہیں۔ سول سوسائٹی کے کئی گروپوں اور اقلیتی مذہبی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ حکومت نے مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرنے کی کوششیں تیز کر دی ہیں۔ کیونکہ گذشتہ برسوں کے دوران میں ان عبادت گاہوں کو تواتر سے نشانہ بنایا جا تا رہا ہے۔ پولیس اور دیگر سیکورٹی اداروں نے ملک بھر میں مذہبی تعطیلات کے دوران میں بہترین حفاظتی اقدامات اٹھائے ہیں اور یہ مسلسل دوسرا سال ہے جبکہ کوئی مذہبی تہوار کسی حملہ کا نشانہ نہیں بنایا گیا ہے۔

سال بھر کے دوران میں نامعلوم افراد ہزارہ سمیت شیعہ مسلمانوں اور احمدیوں کو مذہبی بنیادوں پر حملوں کا نشانہ بنا کر قتل کرتے رہے ہیں۔ حملہ آوروں اور منظم دہشت گرد گروہوں کے مابین تعلق کی نوعیت واضح نہیں ہے۔ انسانی حقوق کے کارکنوں نے توہین رسالت ﷺ کے الزامات پر پُرتشدد کاروائیوں، مختلف افراد کی طرف سے مذہبی اقلیتوں کو زور زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے، اُن کو ہراساں کرنے، امتیازی سلوک کا نشانہ بنانے، اور مختلف مذہبی اقلیتوں کے اراکین کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے کے کئی واقعات کی نشاندہی کی ہے۔ این جی اوز نے مذہبی اقلیتوں خاص طور پر ہندو اور عیسائی لڑکیوں کو اغواء کرنے، انہیں زبردستی مسلمان بنانے اور اُن کی مرضی کے خلاف اُن سے شادی کرنے کے بڑھتے ہوئے واقعات پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ہندوؤں، عیسائیوں اور احمدی اقلیتوں کے مقدس مقامات، قبرستانوں اور مذہبی شعائر پر حملوں میں بھی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ احمدی سول سوسائٹی تنظیموں کے مطابق حکومت احمدیوں کے خلاف حملوں پر اکسانے والی تقاریر یا اشتہارات پر پابندی لگانے میں ناکام رہی ہے۔ جبکہ نیشنل ایکشن پلان کے تحت ایسا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ سول سوسائٹی کے گروپس مذہبی اقلیتوں کی سلامتی کے حوالے سے اپنے تحفظات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔

انٹرنیشنل ریلیجئس فریڈم کے خصوصی ایلچی، مذہبی اقلیتوں کے خصوصی مشیر، ناظم الامور، قونصل جنرل اور سفارت خانہ کے عملہ سمیت محکمہ خارجہ کے سینئر حکام نے وزیر اعظم کے سینئر مشیروں، وزیر خارجہ، انسانی حقوق کے وزیر، مذہبی اُمور کے وزیر اور ان وزارتوں کے حکام کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور توہین رسالت ﷺ کے قوانین میں اصلاحات، احمدیوں سے متعلق قوانین، مذہبی اقلیتوں کے اراکین کے تحفظ کی ضرورت، فرقہ ورانہ ہم آہنگی اور مذاہب کے مابین رواداری جیسے اُمور پر تبادلہ خیال کیا۔ امریکی حکومت نے پولیس کے صوبائی افسران کو انسانی حقوق اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے حوالے سے تربیت کا اہتمام کیا۔ سفارت خانہ کے حکام نے سول سوسائٹی کے راہنماؤں، مقامی مذہبی اکابرین، مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں اور ماہرین قانون کے ساتھ ملاقاتیں کر کے عدم برداشت کے خاتمہ، مذہبی رواداری کے فروغ اور مذہبی آزادیوں کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے امریکی عہدیداروں نے مذہبی اقلیتی نمائندوں، اراکین پارلیمنٹ، انسانی حقوق کے کارکنوں اور وفاقی کابینہ کے اراکین کے ساتھ ملاقاتوں میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک، توہین رسالت ﷺ قوانین کے نفاذ اور مذہب کی بنیاد پر ہونے والے دیگر امتیازات پر اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ امریکی وزیر خارجہ نے مئی میں آسیہ بی بی کی پاکستان سے بحفاظت روانگی پر اطمینان کا اظہار کیا۔ جبکہ خصوصی ایلچی نے جنید حفیظ کو توہین رسالت ﷺ کے جرم میں تیئس دسمبر کو سنائی جانے والی سزائے موت پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ سفارتخانہ نے سارا سال مذہبی آزادی اور باہمی احترام کے حوالے سے وڈیوز جاری کیں۔

۱۸ دسمبر کو وزیر خارجہ نے 1998ء کے ترمیم شدہ انٹرنیشنل ریلیجئس فریڈم ایکٹ کے تحت پاکستان کو مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں کا مرتکب ہونے یا ان کو درگزر کرنے کی پاداش میں، خصوصی تشویش کا حامل ملک قرار دیا، تاہم ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اہم قومی مفادات کی وجہ سے پابندیوں کا اطلاق نہیں کیا۔

حصہ اول: مذہبی اعداد و شمار:

امریکی حکومت کا اندازہ ہے کہ 2019ء کے وسط تک پاکستان کی کل آبادی اکیس کروڑ اسی لاکھ ہے۔ 2017ء میں کی جانے والی مردم شماری کے ابتدائی تخمینہ کے مطابق

ملک کی چھیانوے فیصد آبادی سنی اور شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کی رو سے ملک کی بقیہ چار فیصد آبادی احمدیوں (جن کو قومی قانون مسلمان تسلیم نہیں کرتا)، ہندوؤں، رومن کیتھولک، اینگلکن اور پروٹسٹنٹس اور دیگر سمیت عیسائیوں، پارسیوں، بہائیوں، سکھوں، بدھ مت کے ماننے والوں، کیلاش، کیہال، جین مذہب کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔ ذرائع سنی اور شیعہ مسلمانوں کی تعداد کے حوالے سے واضح نہیں ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اسی سے پچاسی فیصد آبادی سُنی مسلمانوں پر جبکہ پندرہ سے بیس فیصد ہزارہ، اسماعیلی اور بوہرہ سمیت شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مذہبی اقلیتی گروہوں کی آبادی کے حوالے سے غیر سرکاری اندازے ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ مذہبی برادری کے نمائندوں کے مطابق ایسے مذہبی گروپ جو خود کو سُنی، شیعہ یا احمدیوں کے طور پر شناخت نہیں کراتے ملک کی آبادی کا تین سے پانچ فیصد ہیں۔

2017ء کی مردم شماری کے مطابق 1.6 فیصد آبادی ہندو، 1.59 فیصد عیسائی، 0.22 فیصد احمدی اور 0.32 فیصد بہائی، سکھ اور پارسی سمیت دیگر اقلیتوں پر مشتمل ہے۔ احمدیوں کی طرف سے سرکاری مردم شماری کے بائیکاٹ کے پیش نظر اس اقلیتی گروہ کے ذرائع کا کہنا ہے کہ احمدیوں کی آبادی پانچ سے چھ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ بلوچستان میں مقیم زکریوں کی آبادی پانچ سے آٹھ لاکھ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کے لئے کام کرنے والے کئی گروپوں نے 2017ء کی مردم شماری کے ابتدائی اعداد و شمار سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ اُن کی اصل آبادی ان اعداد و شمار سے کہیں زیادہ ہے۔

حصہ دوئم: سرکاری طور پر مذہبی آزادی کے احترام کی حیثیت

قانونی ڈھانچہ

آئین کے تحت مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہے تاہم قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر شہری کو اپنے مذہب کے انتخاب، اس پر عمل کرنے اور اس کی ترویج کرنے کا حق حاصل ہے۔ آئین کی رو سے ہر شہری کو تعزیراتی قوانین میں اسلام کی عظمت کے احترام میں مقرر کردہ مناسب پابندیوں کا خیال رکھتے ہوئے آزادی اظہار کا حق حاصل ہے۔ ان تعزیراتی قوانین کی رو سے توہین رسالت ﷺ کا جرم ثابت ہونے پر سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید کی بے حرمتی پر عمر قید اور کسی اور کے مذہبی عقائد کی توہین پر دس سال قید بامشقت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ تحریر و تقریر یا کسی اور طریقے سے مذہبی منافرت پھیلانے کے جرم کی سزا سات سال قید ہے۔ 2016ء کے انسداد برقی جرائم قانون کے تحت وزارت مذہبی اُمور اور بین المذاہب ہم آہنگی کی ذمہ داری ہے کہ وہ انٹرنیٹ کی ٹریفک پر نظر رکھے اور توہین یا فساد پھیلانے والے مواد کے بارے میں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی کو اس مواد کو ہٹانے اور وفاقی تحقیقاتی ادارے (ایف آئی اے) کو اس کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف قانونی کاروائی کرنے کا کہے۔

آئین کے مطابق مسلمان وہ ہے جو اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کے آخری پیغمبر اور رسول ہونے پر پختہ یقین رکھے۔ اور کسی فرد کو خواہ وہ کوئی بھی ہو اور جو محمد ﷺ کے بعد نبی یا پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ تسلیم نہ کرے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ جو افراد عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ مت، پارسی، قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (یہ دونوں گروہ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) یا بہائی اور وہ لوگ جو مخصوص برادریوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ غیر مسلم ہیں۔ آئین اور تعزیرات پاکستان میں واضح طور پر درج ہے کہ احمدی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہلوا سکتے نہ ہی وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ اسلام کے پیروکار ہیں۔ تعزیرات پاکستان کے تحت ئی ئی احمدی یا قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کے طور پر پیش نہیں کر سکتے۔ نہ ہی اسلامی اصطلاحیں استعمال کر سکتے ہیں۔ نہ ہی وہ اسلامی طور طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔ قادیانی اپنے مذہبی عقائد کی تبلیغ نہیں کر سکتے نہ ہی وہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کر سکتے ہیں۔ ان جرائم کی سزا تین سال قید اور جرمانہ ہے۔ سات فروری کو حکومت آزاد جموں کشمیر نے عبوری آئین میں ترمیم کر کے احمدیوں کو کافر قرار دے دیا۔

اگرچہ تعزیرات پاکستان میں ارتداد کو بطور خاص جرم نہیں قرار دیا گیا ہے لیکن علماء کے نزدیک اسلام قبول کر کے ترک کرنا توہین مذہب کے زمرے میں آتا ہے۔ اور اس کی

سزا موت ہے۔

دہشت گردی، فرقہ وارانہ فسادات اور دیگر جرائم میں ملوث عام شہریوں کو سزا دینے کے لیے تشکیل کردہ فوجی عدالتوں کی مدت ۳۱ مارچ کو ختم ہوگئی۔ حکومت دہشت گردی کی کاروائیوں، تحریر وتقریر کے ذریعے مذہبی منافرت پھیلانے یا توہین رسالت ﷺ جیسے سنگین جرائم کے خلاف مقدمات چلانے کے لئے 1997ء کے انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت قائم شدہ متوازی عدالتوں کو بھی استعمال کرسکتی ہے۔

آئین میں یہ بھی واضح کیا جاچکا ہے کہ کسی شخص کو اُس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی کسی تقریب یا عبادت میں شرکت کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

آئین مذہبی اداروں کا انتظام وانصرام کرنے کی آزادی دیتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ہر مذہب کے پیروکار اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے اور انہیں برقرار رکھنے میں آزاد ہیں۔ آئین کے مطابق کسی شخص کو اُس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تبلیغ یا اس کے اداروں کو قائم رکھنے کے لئے ٹیکس ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت بینکوں میں بچت کھاتے رکھنے والے سُنی مسلمانوں سے لازمی طور پر ہر سال ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ (ٹیکس) وصول کرتی ہے۔ اس طرح جمع ہونے والی رقم ایک سرکاری خیراتی ادارے کے ذریعے غریب گھرانوں کی امداد، طلبہ کے تعلیمی اخراجات، ضرورت مندوں کے علاج معالجے اور سرکاری اداروں کے ساتھ رجسٹرڈ ہونے والے سُنی مدارس اور مساجد پر صرف کی جاتی ہے۔ جو سُنی مسلمان اپنی زکوٰۃ خود تقسیم کرنے کے خواہاں ہوں وہ اس کٹوتی سے استثنیٰ کے لئے درخواست دے سکتے ہیں جبکہ شیعہ مسلمان متعلقہ فارم میں اپنے عقیدے کا اظہار کرکے اس کٹوتی سے مستثنیٰ ہوجاتے ہیں۔

آئین کے تحت حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اسلام کی اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہونے میں مدد دینے کے لئے ضروری اقدامات اُٹھائے۔ آئین مملکت کو پابند کرتا ہے کہ وہ صدقہ خیرات، عشر، اسلام کی بنیادی تعلیمات اور مساجد کا انتظام بطریق احسن کرے۔

حج اور دیگر اسلامی زائرین کے لئے جملہ انتظامات کرنا وزارت مذہبی اُمور وبین المذاہب ہم آہنگی کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی تعلیمات اور توہین رسالت ﷺ جیسے اُمور کے بارے میں بھی سرکاری حکام اسی وزارت سے رجوع کرتے ہیں۔ یہی وزارت نادار اقلیتوں کی امداد، اقلیتی عبادت گاہوں کی دیکھ بھال اور مرمت، اقلیتوں کے لئے چھوٹے پیمانے پر ترقیاتی منصوبوں، اقلیتی تہواروں اور اقلیتی طلبہ کے وظائف پر ہونے والے اخراجات کی بھی ذمہ دار ہے۔

قانون کی رو سے اسلام یا کسی بھی پیغمبر پر تنقید نہیں کی جاسکتی نہ ہی احمدی اپنے مذہب کے بارے میں کوئی مواد فروخت کرسکتے ہیں۔ 1947ء میں ہندوستان کے بٹوارے کے وقت اقلیتوں کی جو جائیدادیں متروک ہوگئی تھیں۔ اُن کی دیکھ بھال متعلقہ صوبوں اور وفاق کی قانونی ذمہ داری ہے۔

آئین میں لکھا ہے کہ کسی بھی تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم شخص کو اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تعلیم کے حصول پر نہ تو مجبور کیا جائے گا اور نہ ہی وہ کسی مذہبی تقریب میں شرکت کرنے کا پابند ہوگا۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی مذہب والوں کو اپنے مذہب کے تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں کو اپنی مذہبی تعلیم فراہم کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔

آئین کی رو سے سرکاری تعلیمی اداروں میں تمام مسلمان طلبہ کو اسلام کی تعلیم دینا حکومت پر لازم ہے۔ اگرچہ دیگر مذاہب کے طلبہ پر اسلامیات کی تعلیم حاصل کرنا لازمی نہیں ہے لیکن تعلیمی ادراوں میں اُن کے اپنے مذہبی عقائد کی تعلیم بہم پہنچانے کا انتظام نہیں ہے۔ تاہم کچھ سکولوں میں غیر مسلم طلبہ اسلامیات کی جگہ اخلاقیات کا مضمون پڑھ سکتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو اپنے خرچ پر نجی سکولوں میں پڑھا سکتے ہیں۔ پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخوا صوبوں میں نجی سکولوں پر لازم ہے کہ وہ مسلمان طلبہ کو قرآن اور اسلامیات کی تعلیم دیں۔

قانون کی رو سے مدارس فرقہ وارانہ تعلیم دینے یا منافرت پھیلانے اور تشدد پر اکسانے میں ملوث نہیں ہو سکتے۔ مذہبی تعلیم کے ذمہ دار وفاق ہیں۔ جو مدارس کی رجسٹریشن، نصاب کے تعین اور اسناد جاری کرنے کے مجاز ہیں۔ ملک میں رائج پانچوں مکاتب فکر یعنی بریلوی، دیوبندی، شیعہ، اہل حدیث اور تمام فرقوں سے بالاتر جماعت اسلامی کی نمائندگی پانچ وفاق المدارس کرتے ہیں۔ یہ تمام وفاق اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی چھتری تلے متحد ہیں اور حکومت کے ساتھ اپنے معاملات یک آواز ہو کر طے کرتے ہیں۔ تمام مدارس پر لازم ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک وفاق المدارس اور محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹر ہوں۔

آئین واضح طور پر کہتا ہے کہ ''تمام موجودہ قوانین کو قرآن مجید اور سنت (اسلام کے جملہ سماجی، قانونی اور عملی اُمور کی بنیاد) سے ہم آہنگ کیا جائے گا۔ آئین میں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا جو اسلام کی تعلیمات کے منافی ہو۔ آئین کہتا ہے کہ یہ اقدامات غیر مسلم شہریوں کے ذاتی قوانین اور اُن کی شہریت پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے۔ ان اقلیتوں کی شادی، طلاق اور وراثت سے متعلق کچھ ذاتی قوانین تقسیم سے پہلے برطانوی راج کے زمانے میں وضع کئے گئے تھے۔

آئین کے تحت مسلمان ججوں پر مشتمل وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی ہے جس کا کام یہ دیکھنا ہے کہ کہیں کوئی قانون یا فیصلہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی تو نہیں ہے۔ آئین نے وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنے طور پر قوانین کا جائزہ لے سکتی ہے۔ وہ کسی بھی شہری یا حکومت کی درخواست پر بھی یہ ذمہ داری سرانجام دے سکتی ہے۔ آئین کی رو سے حکومت اس عدالت کی ہدایات پر عمل درآمد کرنے کی پابند ہے۔ یہ عدالت حدود آرڈیننس کے تحت آنے والے بعض جرائم مثلاً زنا، شراب نوشی، جواء وغیرہ سے متعلق نچلی عدالتوں کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے کی بھی مجاز ہے۔ وفاقی شرعی عدالت ان مقدمات میں دی جانے والی سزائیں کم یا زیادہ بھی کر سکتی ہے۔ شرعی عدالت کا سزاؤں پر نظر ثانی کا یہ اختیار مقدمات میں ماخوذ مسلمان اور غیر مسلم ہر دو مجرمان پر لاگو ہے۔ اگر غیر مسلم مجرم کسی مسلمان وکیل کی خدمات حاصل کر لے تو وہ عدالت میں پیش ہونے سے استثنیٰ لے سکتا ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم یہ سمجھتا ہے کہ کوئی شرعی قانون یا اسلامی طریقہ کار اُس کے بنیادی حقوق سے متصادم ہے تو وہ وفاقی شرعی عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔ قانون کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں پر سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ میں اپیل دائر کی جا سکتی ہے۔ اس بنچ کے فیصلہ کے خلاف اپیل سپریم کورٹ کے فل بنچ کے سامنے دائر کی جا سکتی ہے۔

آئین کے تحت مسلمانوں کو اسلام کے اُصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دینے اور سازگار ماحول تیار کرنے کے لئے پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی درخواست پر سفارشات تیار کرنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی گئی ہے۔ آئین کونسل کو یہ اختیار بھی دیتا ہے کہ مقننہ اور انتظامیہ کی طرف سے مجوزہ قوانین کا جائزہ لے کہ آیا وہ اسلام کی تعلیمات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں۔

عام دیوانی قانون ازدواج کے حوالے سے مخصوص زبان کے حامل قانون کی عدم موجودگی کے باعث شادی کی دستاویزات پر دستخط متعلقہ مذہبی راہنما کرتے ہیں اور یہ شادیاں مقامی نکاح رجسٹرار کے ہاں درج کی جاتی ہیں۔ سندھ ہندو میرج ایکٹ مجریہ 2016ء اور پورے ملک پر نافذ العمل ہندو میرج ایکٹ مجریہ 2017ء ہندو شادیوں کو قانونی جواز فراہم کرنے اور انہیں رجسٹر کرنے کے جملہ تقاضے پورے کرنے کے لئے متعارف کرائے گئے ہیں۔ 2017ء کے ایکٹ میں شناخت کی رجسٹریشن، طلاق، وراثت کے معاملات کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی یقینی بنایا گیا کہ اگر کسی شادی میں رضامندی زور زبردستی سے یا دھوکہ دے کر حاصل کی گئی ہو تو اس شادی کو کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی ایک فریق ہندو مت چھوڑ دے تو اس صورت میں بھی شادی ختم کی جا سکتی ہے۔ سندھ حکومت نے 2018ء میں 2016ء والے ایکٹ میں طلاق کی اجازت دینے اور طلاق یا شوہر کے انتقال کی صورت میں چھ ماہ بعد ہندو عورتوں کو دوبارہ شادی کرنے کی ترامیم کیں۔ ہندو میرج ایکٹ مجریہ 2016ء کا اطلاق سکھوں کی شادیوں پر بھی ہوتا ہے۔ پنجاب کا سکھ انند کراج میرج ایکٹ مجریہ 2018ء مقامی یونین کونسل کے حکام کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ سکھ مرد اور عورت کے درمیان ایک سکھ آنند کراج شادی رجسٹرار کی طرف سے کرائی جانے والی شادی کو رجسٹر کریں۔ اگر ایک غیر مسلم مرد اور غیر مسلم خاتون کی شادی ہو چکی ہو اور وہ خاتون اسلام قبول کر لے تو عدالت اس شادی کو کالعدم قرار دے دیتی ہے۔ جبکہ اسلام قبول کر لینے والے مرد کی شادی برقرار رہتی ہے۔ اس طرح کے فیصلوں کے تحت غیر مسلم جوڑوں کے ہاں پیدا ہونے والے بچے اپنی والدہ کے اسلام قبول کر لینے کی صورت میں غیر قانونی قرار پاتے ہیں اور وہ وراثت کے حق دار بھی نہیں رہتے۔ اپنے بچوں کو قانونی قرار دلوانے اور اپنی شادی کو

بچانے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ مرد بھی اسلام قبول کر لے۔ اس طرح کے فیصلوں کی رو سے اگر کوئی مسلمان جوڑا اپنا مذہب تبدیل کر لے۔ تو ان کے بچے غیر قانونی قرار پائیں گے اور حکومت انہیں اپنی تحویل میں لے گی۔ اس طرح کے اقدامات کے حوالے سے قانون خاموش ہے۔

آئین کے تحت حکومت پر لازم ہے کہ وہ اقلیتوں کے قانونی حقوق اور مفادات کا تحفظ کرے، اور بلا امتیاز تمام شہریوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے۔ اور فرقہ وارانہ تعصّبات کی حوصلہ شکنی کرے۔

آئین کسی بھی مذہبی اقلیت کے مذہبی ادارے پر ٹیکس عائد کرنے کے ضمن میں امتیازی سلوک سے روکتا ہے۔ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق سرکاری اعانت سے چلنے والا ایک آزاد ادارہ ہے۔ یہ اپنی رپورٹس پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں درخواستیں وصول کر کے، تحقیق کرتا اور دادرسی کرتا ہے۔ یہ کمیشن حکومت کی طرف سے انسانی حقوق کے نفاذ کی نگرانی کرتا ہے اور قانون سازی کا جائزہ لیتا اور اس سلسلے میں تجاویز دیتا ہے۔ یہ کمیشن کسی حد تک عدالتی اختیارات کا حامل ہے۔ اور یہ بعض صورتوں میں مقدمات پیروی کے لئے بھیجتا ہے لیکن اس کے پاس کسی کو گرفتار کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ 2010ء میں کی جانے والی ایک ترمیم کی رو سے مذہبی اقلیتوں سمیت جملہ اقلیتی اُمور صوبوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔

آئین کے تحت کسی بھی فرد کو مذہب کی بنیاد پر کسی سرکاری ملازمت پر تعینات ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ بشرطیکہ وہ اس ملازمت کے لئے اہل ہو۔ وفاقی اور صوبائی سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں کے لئے پانچ فیصد کوٹہ مختص ہے۔

آئین کسی بھی سرکاری تعلیمی ادارے میں مذہب کی بنیاد پر داخلہ دینے میں امتیازی سلوک روا رکھنے سے روکتا ہے۔ قواعد کی رو سے کسی بھی سرکاری تعلیمی ادارے میں داخلہ متعلقہ اُمیدوار کے حاصل کردہ نمبروں اور رہائشی صوبہ کی بنیاد پر ہوگا۔ تاہم ہر اُمیدوار کو درخواست فارم پُر کرتے وقت اپنے مذہب کے بارے میں بتانا ہوگا۔ یہی شرط نجی تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ جو طلبہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اُن کے لئے لازم ہے کہ وہ تحریری طور پر واضح کریں کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ رب العزت کا آخری پیغمبر اور رسول سمجھتے اور ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ غیر مسلم طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ اُن کے مقامی مذہبی رہنما اُن کی مذہبی وابستگی کی تصدیق کریں۔ قانون میں ملحدوں کی بابت کوئی شق نہیں ہے۔

نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) نے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ پر مذہب کا اندراج کر رکھا ہے اور ہر دو کے لئے درخواست دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مذہب کا واضح طور پر بتائے۔ جو لوگ مذہب کے خانے میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوانا چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلفیہ بیان دیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ رب العزت کے آخری پیغمبر اور رسول ہیں اور احمدی تحریک کا بانی جھوٹا نبی اور اس کے ماننے والے غیر مسلم ہیں۔ ہر شخص کو اپنا مذہب بتانا ہوتا ہے۔ لادینیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اٹھارہ برس کی عمر کو پہنچنے والے ہر شہری پر لازم ہے کہ وہ شناختی کارڈ بنوائے۔ یہ کارڈ ووٹ ڈالنے، پینشن کی وصولی، سماجی اور مالی امداد کے پروگراموں سے مستفید ہونے اور دیگر خدمات کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

آئین کی رو سے صدر مملکت اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اراکین پارلیمنٹ اور تمام اعلیٰ عہدیداروں پر لازم ہے کہ وہ مملکت کے اسلامی تشخص کے تحفظ کا حلف اٹھائیں۔ قانون کے تحت منتخب مسلمان نمائندوں پر لازم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے اور ختم نبوت پر ایمان رکھنے کا حلف اٹھائیں۔

قومی اور صوبائی ہر دو اسمبلیوں میں غیر مسلم اراکین کے لئے نشستیں مختص ہیں۔ 342 رکنی قومی اسمبلی میں دس نشستیں اقلیتی اراکین کے لئے رکھی گئی ہیں۔ جبکہ 104 رکنی سینٹ میں اقلیتوں کے لئے چار نشستیں مختص ہیں۔ گویا ہر صوبہ سے ایک اقلیتی رکن سینٹ میں موجود ہوگا۔ صوبہ خیبر پختونخوا اسمبلی میں اقلیتوں کے لئے تین، پنجاب اسمبلی میں آٹھ، سندھ

اسمبلی میں نو جبکہ بلوچستان اسمبلی میں تین نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔

پاکستان International Covenant on Civil and Political Rights(ICCPR) کا رکن ہے اور اس کے دو تحفظات ہیں۔ پہلا یہ کہ مردوں اور عورتوں کے یکساں حقوق کے حوالے سے (ICCPR) کے آرٹیکل تین کا اطلاق شہریوں کے ذاتی قوانین اور قانون شہادت مجریہ 1984ء کی روشنی میں کیا جائے گا۔ اس قانون کے تحت نکاح، معاہدے اور مالیاتی ذمہ داریوں سے متعلق بعض دیوانی مقدمات میں عدالت کے سامنے پیش ہونے والے گواہوں میں مردوں کی گواہی کو خواتین کے مقابلہ میں زیادہ فوقیت دی جاتی ہے۔ دوسرا تحفظ (ICCPR) کے آرٹیکل 25 سے متعلق ہے۔ جس کے مطابق تمام شہری سرکاری خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس شرط کا اطلاق آئین کے اُن قواعد کی مطابقت سے ہوگا جن میں کہا گیا ہے کہ صدر مملکت اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

حکومت کے عملی اقدامات

سول سوسائٹی کی رپورٹس کے مطابق توہین رسالت ﷺ کے الزام میں 84 افراد مقید ہیں۔ ان میں سے 29 کو سزائے موت سنائی جا چکی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں 2018ء میں یہ تعداد بالترتیب 77 اور 28 تھی۔ حکومت نے اب تک توہین رسالت ﷺ کے جرم میں کسی کی سزائے موت پر عمل درآمد نہیں کیا ہے۔ این جی اوز کی طرف سے مہیا کئے گئے اعداد و شمار کے مطابق اس سال کے دوران میں حکام نے دس افراد کے خلاف توہین رسالت ﷺ کے الزام میں مقدمات درج کئے ہیں۔ عدالتوں نے دو افراد کو سزائے موت سنائی ہے۔ اور ایک شخص کو پانچ سال قید کی سزا سنائی گئی ہے۔ سپریم کورٹ نے توہین کے مقدمہ میں ایک شخص کو سنائی جانے والی سزا کالعدم قرار دی ہے جبکہ اسی سال کے دوران میں ایک نچلی عدالت نے توہین کے مقدمہ میں ملوث ایک شخص کو بری کرنے کا حکم دیا ہے۔ توہین کے باقی مقدمات بدستور چل رہے ہیں۔ PECA کے تحت ایک شخص پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ توہین رسالت ﷺ پر مشتمل مواد سوشل میڈیا کے ذریعے پھیلانے میں ملوث ہے۔ سول سوسائٹی کے گروہ مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ توہین رسالت ﷺ کے قوانین غیر مساویانہ طور پر مذہبی اقلیتوں کے اراکین کو متاثر کر رہے ہیں۔ توہین رسالت ﷺ کے الزام میں مقید 84 افراد میں سے 31 عیسائی، 16 احمدی اور پانچ ہندو ہیں۔ سول سوسائٹی کے ذرائع کے مطابق اس سال کے آخر تک 29 افراد توہین رسالت ﷺ کے جرم میں سزائے موت کے منتظر ہیں۔ جن افراد پر توہین رسالت کا مقدمہ درج کیا جاتا ہے اکثر و بیشتر اُن پر دہشت گردی کی دفعات بھی لگا دی جاتی ہیں۔ این جی اوز کا کہنا ہے کہ نچلی عدالتوں میں توہین رسالت ﷺ کے مقدمات کی سماعت کے دوران میں گواہی کی بنیادی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

عیسائیوں کے حقوق کی تنظیمیں اور ذرائع ابلاغ نے اگست اور ستمبر کے دوران میں عیسائیوں کے خلاف پولیس کی زیادتیوں اور امتیازی سلوک کے چار واقعات کے بارے میں بتایا ہے۔ ان میں سے ستمبر میں رونما ہونے والے ایک واقعہ کے دوران میں عامر مسیح نامی ایک شخص ہلاک ہو گیا تھا۔ ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق پولیس نے عامر مسیح کو چوری کے الزام میں گرفتار کر کے چار دن اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد اس کے گھر والوں سے کہا گیا کہ وہ اس کو لے جائیں۔ کلوز سرکٹ ٹی وی کیمرہ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ پولیس والے عامر مسیح کو ایک وہیل چیئر پر بٹھا کر ہسپتال سے باہر لا رہے ہیں۔ اس کے چند گھنٹے بعد عامر مسیح دم توڑ گیا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق پوسٹ مارٹم رپورٹ میں عامر مسیح پر کئے جانے والے تشدد، اُس کو جلائے جانے اور ٹوٹی ہوئی پسلیاں نمایاں تھیں۔ کچھ ذرائع ابلاغ کی خبروں کے مطابق عامر مسیح کے بھائی نے بتایا کہ ایک پولیس والے نے عیسائیوں کے بارے میں توہین آمیز باتیں کیں اور کہا کہ وہ جانتا ہے کہ ان کافروں کے ساتھ کیسے سلوک کرنا ہے۔ پنجاب پولیس کے انسپکٹر جنرل نے تحقیقاتی افسر کو معطل کر کے پانچ دیگر اہلکاروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے بعد ہونے والی تحقیقات یا اس قتل میں ملوث اہلکاروں کیخلاف کسی کاروائی کی اطلاع نہیں ملی۔ پولیس کے بعض اہلکاروں کی طرف سے عام شہریوں کو بلاتمیز مذہب تشدد اور بدسلوکی کا نشانہ بنانے کے واقعات انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اور جن کے بارے میں انسانی حقوق کی مقامی اور عالمی تنظیمیں تشویش کا اظہار کرتی رہی ہیں۔ انسانی حقوق کی پامالی کی حوصلہ شکنی کے لئے پولیس کے کچھ اداروں کے تربیتی پروگراموں میں انسانی حقوق کے حوالے سے مواد نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

29 جنوری کو سپریم کورٹ نے آسیہ بی بی کو بری کرنے کے اپنے 2018ء کے فیصلہ کو برقرار رکھا۔ آسیہ بی بی ایک عیسائی عورت ہے جس کو 2010 میں توہین رسالت کے جرم میں سزائے موت سنائی گئی تھی۔ 7 مئی کو آسیہ بی بی ملک سے باہر چلی گئی کیونکہ توہین رسالت کے خلاف متحرک سیاسی جماعت تحریک لبیک پاکستان اور دیگر تنظیموں کی طرف سے ملنے والی دھمکیوں کے باعث آسیہ بی بی اور اُس کے خاندان کے لئے پاکستان میں رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ 13 نومبر کو انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے تحریک لبیک کے رہنما خادم حسین رضوی، اس پارٹی کے سرپرست اعلیٰ پیر افضل قادری اور چوبیس دیگر افراد پر بغاوت اور دہشت گردی کی فرد جرم عائد کی۔ رضوی اور قادری کو آسیہ بی بی کی رہائی کے وقت ملک گیر احتجاج اور اس رہائی کے ذمہ داران کو قتل کرنے کے اعلانات کرنے پر گرفتار کئے جانے کے تقریباً ایک سال بعد یہ فرد جرم عائد کی گئی۔ 15 مئی کو لاہور ہائی کورٹ نے خرابی صحت کی بنا پر رضوی اور قادری کو ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا اور وہ سال کے باقی ماندہ عرصہ کے دوران میں آزاد رہے۔

21 دسمبر کو ملتان کی ایک عدالت نے سات برس سے توہین رسالت ﷺ کے الزام میں قید جنید حفیظ کو سزائے موت سنائی۔ اس کو قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے پر عمر قید اور مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے پر دس سال قید کی سزا بھی سنائی گئی ہے۔ جنید حفیظ کو 2013ء میں اُس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کچھ اراکین نے اُس کے لبرل اور مذہب بیزار خیالات کے بارے میں شکایت کی۔ توہین رسالت ﷺ کے اس مقدمہ میں جنید حفیظ کی پیروی کرنے والے ایک وکیل کو 2014ء میں قتل کر دیا گیا تھا۔

12 ستمبر کو سائبر کرائمز کی ایک خصوصی عدالت نے ساجد علی نامی ایک مسلمان کو سوشل میڈیا پر توہین کرنے کے جرم میں پانچ سال قید کی سزا سنائی۔ حکام کے مطابق ساجد علی نے 2017ء میں حضرت محمد ﷺ کے ایک قریبی صحابی حضرت عمر فاروقؓ کے خلاف توہین آمیز مواد فیس بک پر شائع کیا۔ ساجد علی پر توہین کے قانون اور PECA کے تحت فرد جرم عائد کی گئی تھی۔ ساجد علی پہلا شخص ہے جس کو ایک صحابیؓ کے خلاف مواد آن لائن لگانے پر سزا سنائی گئی ہے۔

27 مئی کو صوبہ سندھ کے شہر میرپور خاص میں پولیس نے ایک ہندو ماہر حیوانات رمیش کمار کو ایک مقامی مسجد کے امام کی اس شکایت پر گرفتار کیا کہ اس نے ادویات قرآن مجید کے صفحات میں لپیٹ کر قرآن مجید کی بے حرمتی کی ہے۔ جونہی یہ خبر پھیلی تو ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا جس نے رمیش کمار کا کلینک اور پولیس کا تھانہ جلا دیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق پولیس نے رمیش کمار کو حفاظت کی غرض سے جبکہ چھ افراد کو اقدام قتل اور ہنگامہ آرائی پر گرفتار کیا۔ پولیس نے رمیش کمار کے گھر کی حفاظت کے لئے بھی اقدامات اٹھائے۔ اخبارات نے ضلع کے سینئر پولیس آفیسر کے حوالے سے لکھا کہ توڑ پھوڑ اور ہنگامہ آرائی کرنے والے نہ تو اسلام سے محبت کرتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے ہمسائیوں کا خیال رکھتے ہیں بلکہ وہ شر پسند عناصر ہیں۔

15 ستمبر کو پولیس نے صوبہ سندھ کے شہر گھوٹکی میں ایک ہندو استاد نوتن لال کو اُس وقت گرفتار کیا جب ایک طالب علم نے اُس پر یہ الزام عائد کیا کہ اسلامیات کی کلاس میں پڑھاتے وقت اُس نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے۔ مقامی علماء کی قیادت میں ایک ہجوم نے ایک ہندو مندر کو تباہ کر دیا اور ہندوؤں کی املاک لوٹ لیں۔ پولیس کے اعلیٰ حکام کے مطابق انہوں نے پیرا ملٹری فورس کی مدد سے ہجوم کو منتشر کیا اور نوتن لال کو حفاظت کی غرض سے ایک نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا۔ ان ہنگاموں کے بعد وزارت انسانی حقوق نے ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی جس میں ہندو اراکین اسمبلی اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے انسانی حقوق کے سرگرم اراکین شامل ہیں۔ تحقیقات کرنے پر کمیٹی کو معلوم ہوا کہ یہ ہنگامہ آرائی پہلے سے طے شدہ تھی اور اس کے پس پشت سیاسی مفادات کارفرما تھے۔ کمیٹی نے سفارش کی کہ اس بات کا پتہ چلانے کے لئے ایک عدالتی کمیشن مقرر کیا جائے کہ آیا اس معاملے میں توہین رسالت کے قانون کا غلط استعمال کیا گیا ہے یا نہیں۔ سال کے آخر تک اس سفارش پر کسی کاروائی کی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ سول سوسائٹی کے اراکین نے ہندوؤں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے ایک امن ریلی نکالی۔

اس سال کے دوران میں عدالتوں نے توہین رسالت کے کچھ مقدمات میں سنائی جانے والی سزاؤں کے خلاف اپیل پر یہ سزائیں ختم کر کے برسوں سے جیلوں میں قید ملزمان کو رہا کرنے کا حکم دیا۔ 25 ستمبر کو سپریم کورٹ نے توہین رسالت ﷺ کے الزام میں اٹھارہ برس سے سزا بھگتنے والے ایک مسلمان وجیہہ الحسن کی سزا ختم کرنے کا فیصلہ دیا۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں نچلی عدالت کی طرف سے وجیہہ الحسن کو گواہوں کی عدم موجودی، کمزور شہادتوں اور ماورائے عدالت اعتراف جرم کے باوجود سزا سنانے پر

تنقید کی۔ 15 جنوری کو قصور کی سیشن کورٹ نے تین سال مقدمہ چلانے کے بعد ایک عیسائی مزدور پرویز مسیح کو توہین رسالت ﷺ کے الزام سے بری کر دیا۔

مئی میں لاہور ہائی کورٹ نے 2014ء میں لاہور میں قتل کئے جانے والے عیسائی جوڑے شہزاد مسیح اور شمع بی بی کے قتل میں ملوث پانچ مجرمان میں سے تین کی سزائے موت برقرار رکھی جبکہ دیگر دو افراد کی اپیل منظور کرتے ہوئے انہیں بری کرنے کا حکم دیا۔ این جی اوز اور اخباری اطلاعات کے مطابق 2014 کے توہین رسالت کے مشہور مقدمات میں جن افراد کو سزا سنائی گئی تھی اُن میں ندیم جیمز، تیمور رضا، مبشر، غلام اور احسان احمد، ساون مسیح، شفقت ایمانیول اور شگفتہ کوثر بدستور جیلوں میں مقید اپنی اپیلوں کی سماعت کے منتظر تھے۔ ان مقدمات میں ججوں نے تواتر سے سماعتیں ملتوی کیں، دلائل سنے بغیر نئی تاریخیں دیں یا ان اپیلوں کو دوسرے بنچوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھیجا۔ سول سوسائٹی اور قانونی ذرائع کے مطابق یہ جج انتقامی حملوں کے خوف سے توہین رسالت ﷺ کے مقدمات کا فیصلہ کرنے سے کتراتے ہیں۔ The Center for Legal Aid, Assistantce, and Settlement(CLAAS) کا کہنا ہے کہ 2018ء میں سپریم کورٹ کی طرف سے آسیہ بی بی کی سزا ختم کرنے کے فیصلے کے بعد ہونے والے ملک گیر ہنگاموں کی وجہ سے شاید ججوں کے خوف میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

28 مارچ کو انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے مبینہ طور پر توہین رسالت ﷺ کرنے پر 2017 میں ایک یونیورسٹی کے طالب علم مشال خان کو قتل کرنے میں شامل دو مزید افراد کو عمر قید کی سزا سنائی۔ 2018ء میں اسی مقدمہ میں مقتول پر فائرنگ کرنے والے ایک مجرم کو سزائے موت جبکہ پانچ دیگر افراد کو عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ ان میں سے ایک شخص عارف خان کو جو مقامی بلدیہ کا ملازم اور برسر اقتدار پارٹی پی ٹی آئی کا سرگرم کارکن تھا۔ دو وڈیوز میں مشال خان کو قتل کرنے میں حصہ لیتے ہوئے اور قتل کے بعد ایک اور مجرم کو قتل میں حصہ لینے پر مبارک باد دیتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

احمدی رہنماؤں کے مطابق اس سال کے دوران میں حکام نے گیارہ احمدیوں کو اپنے عقائد پر عمل درآمد کرنے پر گرفتار کیا۔ ان میں چھ احمدیوں کو توہین رسالت ﷺ کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ اگرچہ ان میں تین کو بعد رہا کر دیا گیا۔ احمدی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ گزشتہ برسوں کے دوران میں عید الضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کرنے پر مقدمات درج کرنے اور گرفتاریوں کی وجہ سے اب وہ خفیہ طور پر قربانی کرتے ہیں تا کہ مقدمات اور گرفتاریوں سے بچ سکیں۔ 18 مارچ کو ایک جج نے ایک معمر قادیانی کتب فروش عبدالشکور کو اس کی سزا کم کرتے ہوئے رہا کرنے کا حکم دیا۔ وہ جیل میں تین برس گزار چکا تھا۔ عبدالشکور کو قادیانیت کی تبلیغ کرنے اور منافرت پھیلانے کے جرم میں سزا سنائی گئی تھی۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کی رپورٹس کے مطابق حکومت نے فرقہ وارانہ کشیدگی کے ایک واقعہ میں مداخلت کی۔ ان اطلاعات کے مطابق لاہور کے قریب شیعہ عاشورہ کے ایک جلوس کو منظور شدہ راستے سے ہٹا کر ایک اور طرف لے گئے جس پر سُنی مشتعل ہو گئے اور ہنگامہ ہو گیا تاہم فائرنگ اور پتھراؤ کے نتیجہ میں کچھ لوگ زخمی ہوئے لیکن کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔

پولیس نے ہنگامہ آرائی کرنے والوں کو منتشر کرنے میں ناکامی پر رینجرز سے مدد طلب کی۔ توہین رسالت ﷺ کے الزامات پر مختلف افراد کے خلاف ہونے والی ہنگامہ آرائی کے کئی واقعات میں پولیس نے ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے کاروائی کی۔ 26 مارچ کو صوبہ پنجاب کے علاقہ صدر میں توہین رسالت ﷺ کے الزام میں ایک ہجوم کو سات افراد کو مار پیٹ کا نشانہ بنانے سے روکنے کے لئے پولیس نے ضلعی امن کمیٹی اور مقامی علماء سے مدد لی۔ اور یہ ہجوم اس یقین دہانی پر ان سات افراد کو چھوڑنے پر آمادہ ہوا کہ پولیس انہیں گرفتار کرے گی۔ ان واقعات میں پولیس نے ملزمان کی جان بچانے، ہنگامہ آرائی ختم کرنے اور لوگوں کی املاک کو بچانے کے لئے مداخلت کی لیکن اس نے ملزمان کے خلاف توہین رسالت کے مقدمات بھی درج کئے اور انہیں گرفتار کیا جبکہ ہنگامہ آرائی کرنے والوں کے خلاف کوئی کاروائی کرنے سے احتراز کیا۔ تاہم 28 اکتوبر کو پنجاب کے شہر یوسف آباد میں پیش آنے والے ایک اور واقعہ میں پولیس نے مداخلت کر کے ایک عالم دین کو ایک عیسائی خاکروب کے خلاف توہین کا الزام عائد کرنے سے باز آنے پر قائل کیا۔ جس کو ایک بوری میں بائیبل اور قرآن مجید کے پھٹے ہوئے اوراق ملے تھے۔ جب وہ خاکروب یہ اوراق ایک مسلمان دوکاندار کے پاس یہ پوچھنے کے لئے لے کر گیا کہ انہیں کس طرح سے بے حرمتی سے بچایا جائے۔ اس پر دوکاندار نے اس خاکروب پر توہین کا الزام لگایا اور اس کو پکڑ کر قریبی مسجد لے گیا جہاں امام مسجد

نے لوگوں کو عیسائیوں کے گھروں پر حملہ کرنے کے لئے بلالیا تھا۔

۳ مارچ کو صوبہ سندھ کے شہر عمر کوٹ کے قریب تین افراد نے ایک ہندو مزدور گھنشام بھیل کو قتل کر دیا۔ اس قتل پر پولیس کی طرف سے کوئی موثر کاروائی نہ کئے جانے کے باعث سندھ کے کئی شہروں میں ہندوؤں نے احتجاج کیا۔ اطلاعات کے مطابق اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کی مداخلت کے بعد پولیس ملزموں کے خلاف کاروائی کے لئے متحرک ہوئی۔

مارچ 2015ء میں دو عیسائی چرچوں پر ہونے والے خودکش حملوں کے بعد پھوٹنے والے ہنگاموں میں دو مسلمانوں کو گھیر کر قتل کرنے کے الزام میں گرفتار چالیس سے زائد عیسائی لاہور کی کوٹ لکھپت جیل میں مقید رہے۔ 2016ء میں انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے ان افراد پر دہشت گردی اور قتل کی فرد جرم عائد کی لیکن سال کے آخر تک اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہو سکا تھا۔ سول سوسائٹی کے ذرائع کا کہنا ہے کہ قتل ہونے والے دونوں افراد کے ورثاء اور ملزمان کے وکلاء جج کے ہمراہ اس مقدمہ کا بات چیت اور تاوان کے ذریعے تصفیہ چاہتے ہیں۔ غیر سرکاری تنظیم پاکستان انٹرفیتھ لیگ کے مطابق افہام و تفہیم کے ساتھ اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کی کوشش ایک مثبت اقدام ہے لیکن گرفتار افراد کے اہل خانہ تصفیہ کی رقم دینے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ اُن کے کمانے والے برسوں سے جیل میں قید ہیں۔

تاریخی اعتبار سے ہندو اور سکھ مذہبی رہنماء کا یہ کہنا ہے کہ ان کی شادیوں کی رجسٹریشن کے عمل کی قانونی حیثیت واضح نہ ہونے کی وجہ سے ہندو اور سکھ خواتین کو وراثت پانے، صحت کی سہولیات حاصل کرنے، ووٹ ڈالنے، پاسپورٹ بنوانے اور جائیداد کی خرید و فروخت میں مشکلات کا سامنا تھا۔ مبصرین کے مطابق سندھ میرج ایکٹ مجریہ 2016 اور اس میں 2018ء میں کی جانے والی ترامیم، ہندو میرج ایکٹ مجریہ 2017ء اور پنجاب سکھ آنند کاراج میرج ایکٹ مجریہ 2018ء کے متعارف کرائے جانے کے بعد ان مسائل میں کافی حد تک کمی آئی ہے اور طلاق کے حق کی قانونی وضاحت کر دی گئی ہے۔ سندھ اسمبلی کے اراکین کا کہنا ہے کہ سندھ کابینہ نے دسمبر میں سندھ ہندو میرج ایکٹ نافذ کرنے کے لئے قواعد و ضوابط تیار کر لئے ہیں۔

14 اگست کو وزیر اعظم عمران خان نے اعلان کیا کہ پاکستان میں جو لوگ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اکیس نومبر کو سینیٹ نے اقلیتوں کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کی روک تھام کے لئے ایک پارلیمانی کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی کے اراکین میں وزیر برائے مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، وزیر برائے انسانی حقوق اور کئی ہندو اور عیسائی سینیٹر شامل ہیں۔ تاہم مذہبی اقلیتوں کا کہنا ہے کہ حکومت کی طرف سے مذہبی اقلیتوں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوششوں کے خلاف حکومتی اقدامات ناکافی ہیں۔ اس سلسلے میں صوبہ سندھ میں اقلیتوں کے حقوق کے لئے سرگرم حلقوں نے زبردستی مسلمان بنانے کی کوششوں کے خلاف قانون سازی میں ناکامی کو حکومت کی طرف سے مذہبی پارٹیوں کے دباؤ کا شکار ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ پانچ اپریل کو سندھ اسمبلی کے ایک ہندو رکن نند کمار گوکلانی نے زبردستی مذہب تبدیل کرنے کے خلاف ایک بل کا مسودہ اسمبلی میں پیش کیا۔ یہ مسودہ 2016ء میں اسمبلی کی طرف سے منظور کئے جانے والے ایک بل میں ترامیم متعارف کرنے کے لئے پیش کیا گیا جس پر گورنر نے مبینہ طور پر انتہا پسند گروپوں کے دباؤ کی وجہ سے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ 23 اکتوبر کو سندھ اسمبلی نے اسلامی پارٹیوں اور مذہبی راہنماؤں کی طرف سے مہم چلانے پر مجوزہ بل نامنظور کر دیا۔

10 اکتوبر کو ایک چودہ سالہ عیسائی لڑکی ہمایونس کے اہل خانہ نے عبدالجبار نامی ایک مسلمان شخص کے خلاف ہمایونس کو کراچی میں اُس کے گھر سے اغوا کرنے، اس کی عزت لوٹنے اور زبردستی اُس کو مسلمان کرنے کا مقدمہ درج کرایا۔ ہمایونس کے اہل خانہ کے وکیل کا کہنا ہے کہ اغوا ہونے کے بعد سے وہ اپنی بیٹی کو نہیں دیکھ سکے ہیں اور نہ ہی 11 نومبر کو عدالت میں پیشی کے موقعہ پر ہما عدالت آئی تھی۔ صوبہ سندھ کے قانون کی رو سے اٹھارہ سال سے کم عمر بچوں کی شادی غیر قانونی ہے۔

اگرچہ اغوا اور زبردستی مذہب تبدیل کرنے کے واقعات میں حکومت کی مداخلت اور عدلیہ کی طرف سے دادرسی کرنے کی اطلاعات ملی ہیں لیکن ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں

کے خلاف موثر کاروائی کم کم ہی دیکھنے میں آئی ہے۔ 31 مئی کو ایک ہندو عورت نے عدالت کے سامنے بیان دیا کہ اُس کو اُس کے گاؤں ٹنڈو با گو صوبہ سندھ سے اغوا کر کے ایک اور گاؤں لے جایا گیا جہاں اُس کی بے حرمتی کی گئی۔ پھر اُس کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اُس کے شوہر کی طرف رپورٹ درج کرانے پر پولیس نے چند دنوں کے اندر اُس عورت کو بازیاب کرالیا۔ عدالت نے اُس عورت کو اپنے اہل خانہ کے حوالے کرنے کا حکم تو دیا لیکن اُس کو اغوا کرنے والے مشتبہ افراد کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔ 4 ستمبر کو پنجاب پولیس نے اُس وقت ایک پندرہ سالہ عیسائی لڑکی کو ایک مدرسہ سے برآمد کر کے شیخوپورہ میں دارالامان بھجوا دیا۔ جب اُس کے والدین نے اپنی بیٹی کے اغوا کی تحریری اطلاع پنجاب کی صوبائی وزارت انسانی حقوق و اقلیتی اُمور کو دی۔ سول سوسائٹی اور اخبارات کی اطلاعات کے مطابق اس لڑکی کے والدین کو اُس وقت تشویش ہوئی جب وہ سکول سے واپس گھر نہیں پہنچی اور انہیں معلوم ہوا کہ اُس کو سکول کا پرنسپل ایک مدرسہ لے گیا ہے۔ تین مدرسوں میں تلاش کرنے کے بعد جب انہوں نے اپنی بیٹی کو ایک مدرسہ میں دیکھا تو بھی وہ اُس کو اپنے ساتھ واپس گھر نہیں لے جا سکے۔ اُس لڑکی کے پرنسپل نے اُس کو بتایا تھا کہ وہ عربی پڑھنے کی وجہ سے خود بخود مسلمان ہو چکی ہے۔ اُس پرنسپل نے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس لڑکی کے اہل خانہ کو مالی امداد کی پیشکش بھی کی تھی۔

زبردستی مذہب تبدیل کرانے کے دیگر مقدمات میں اقلیتی حلقوں کی طرف سے مدد کی مہم پر حکومت کی طرف سے اعلیٰ سطح پر مداخلت کی گئی۔ ۲۰ مارچ کو دو ہندو بہنیں رینا اور روینا مینگھواڑ گھوٹکی صوبہ سندھ میں اپنے گھر سے غائب ہو گئیں۔ اس واقعہ کو ذرائع ابلاغ میں کافی پذیرائی ملی۔ اُنکے والد اور بھائی کا کہنا تھا کہ وہ کم سن ہیں اور انہیں اغوا کیا گیا ہے۔ مقامی پولیس نے ابتدائی طور پر اُن کے خاندان کی شکایت پر کان نہیں دھرے۔ اور رپورٹ درج نہیں کی۔ 21 مارچ کو سوشل میڈیا پر ایک وڈیو جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس میں ان دونوں بہنوں نے کہا تھا کہ اُن کی عمریں اٹھارہ برس سے زائد ہیں۔ اور اپنی مرضی سے اسلام قبول کر چکی ہیں اور دو مسلمانوں سے شادی بھی کر چکی ہیں۔ ان بہنوں کو سندھ سے پنجاب میں ایک مذہبی سیاسی پارٹی سُنی تحریک کے دفتر میں پہنچایا گیا تھا جہاں ان کے نکاح ہوئے۔ 24 مارچ کو وزیر اعظم عمران خان نے سندھ اور پنجاب کے حکام کو اس معاملہ کی مکمل تحقیقات کرنے کا حکم دیا اور 25 مارچ کو پولیس نے نکاحوں کو پڑھانے والے اور گواہوں کے طور پر دستخط کرنے والے بارہ افراد کو گرفتار کر لیا۔ 25 مارچ ہی کو ان بہنوں کی طرف سے اسلام آباد ہائی کورٹ میں ایک درخواست دائر کی گئی جس میں اپنے خاندان سے تحفظ کی استدعا کی گئی تھی۔ عدالت نے حکومت کو انہیں تحفظ فراہم کرنے کا حکم دیا اور اس معاملہ کی مزید تحقیقات کے لئے ایک کمیشن قائم کیا۔ جس میں وزیر برائے انسانی حقوق، کمیشن برائے انسانی حقوق کے سربراہ، نیشنل کمیشن آن سٹیٹس آف وومن کی سربراہ اور ایک دینی عالم کو شامل کیا گیا تھا لیکن اس میں کوئی اقلیتی نمائندہ موجود نہیں تھا۔ 11 اپریل کو عدالت نے فیصلہ سنایا کہ یہ دونوں بہنیں شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں اور انہیں اسلام قبول کرنے پر کسی نے مجبور نہیں کیا۔ اس بات کی کوئی واضح شہادت موجود نہیں تھی کہ نکاح کے وقت ان لڑکیوں کی عمر کتنی تھی اور آیا انہیں اسلام قبول کرنے اور پنجاب جانے پر کسی نے مجبور کیا تھا یا نہیں۔ بہر حال اس واقعہ کے بعد قومی اسمبلی کے ہندو اور عیسائی اراکین نے ایسے بل تجویز کئے۔ جن کے تحت کم عمری کی شادی کو قابل دست اندازی پولیس قرار دینے اور زبردستی مذہب تبدیل کرنے کی سزا بڑھانے کی سفارش کی گئی تھی۔

28 اگست کو ایک ہنگامہ اُس وقت کھڑا ہو گیا جب ننکانہ صاحب میں ایک انیس سالہ سکھ لڑکی جگجیت کور نے محبت کی خاطر اسلام قبول کر کے اپنی پسند سے ایک مسلمان مرد سے شادی کر لی۔ جگجیت کور ایک کلیدی سکھ مذہبی رہنما کی بیٹی تھی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اُس لڑکی کے خاندان نے مسلمان لڑکے کے خاندان پر الزام عائد کیا کہ وہ جگجیت کور کو اغوا کر کے ساتھ لے گئے ہیں اور زبردستی اُسے مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ جگجیت کور کے اہل خانہ نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی اور دھمکی دی کہ اگر اُس کو بازیاب نہ کرایا گیا تو وہ اپنے آپ کو آگ لگا دیں گے۔ جگجیت کور نے عدالت میں پیش ہو کر بیان دیا کہ اُس کی عمر اٹھارہ برس سے زیادہ ہے اور اُس نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا ہے۔ اس پر جج نے اسے دارالامان بھجوانے کا حکم دیا۔ جبکہ حکومت پنجاب کے حکام نے دونوں فریقین کے نمائندوں سے ملاقات کی۔ 3 ستمبر کو گورنر پنجاب چوہدری محمد سرور نے دونوں خاندانوں کے نمائندوں سے ملاقات کی اور کہا کہ یہ معاملہ باہمی افہام و تفہیم سے حل ہو گیا ہے۔ اگرچہ سکھ ذرائع کے مطابق جگجیت کور سال کے آخر تک دارالامان میں مقیم تھی۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق گورنر چوہدری محمد سرور نے کہا تھا کہ اگر انہیں ذرا بھی شک ہوتا کہ جگجیت کور کو اغوا کیا گیا ہے اور زبردستی اُسے مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا ہے تو وہ ہرگز مصالحت کے اس عمل میں شریک نہ ہوتے کیونکہ اغوا اور زبردستی مذہب تبدیل کرانا کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے۔

وزارت داخلہ نے مذہبی نوعیت کے گروپوں کی سرگرمیوں کی جانچ پڑتال کرنے اور ان پر نظر رکھنے کیلئے کئی فہرستیں ترتیب دے رکھی ہیں۔ انتہا پسند اور دہشت گرد عناصر پر

پابندی عائد کی جا چکی ہے۔ان کی سرگرمیاں محدود کر کے ان کی نگرانی کی جاتی ہے (فہرست 1) جن افراد کی عوامی سرگرمیوں کو بشمول عاشورہ محرم کی چھٹیوں میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔اُن کا ذکر فہرست 4 میں کیا گیا ہے۔5 مارچ کو حکومت نے اقوام متحدہ کی فہرست میں شامل جماعت الدعوہ اور اس کی ذیلی فلاحی تنظیم فلاح انسانیت فاؤنڈیشن کو فہرست 1 میں شامل کیا۔(جماعت الدعوہ ایک شدت پسند تنظیم لشکر طیبہ کا سیاسی بازو ہے)۔10 مئی کو حکومت نے جماعت الدعوہ سے وابستہ سات اور فلاح انسانیت سے وابستہ دو تنظیموں کو فہرست 1 میں شامل کیا۔سترہ جولائی کو پنجاب پولیس نے جماعت الدعوہ کے بانی حافظ سعید کو دہشت گردی کی کاروائیوں میں مالی اعانت کرنے کے الزام میں گرفتار کیا۔سال کے آخر تک انہیں دہشت گردی کی مالی سرپرستی کرنے کے مزید تین مقدمات کا سامنا تھا۔اس کے علاوہ لشکر جھنگوی، سپاہ صحابہ اور جیش محمد کو بھی فہرست 1 میں بدستور شامل رہے۔لیکن ذرائع کے مطابق ان تنظیموں سے وابستہ گروپ کسی حد تک اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

احمدی برادری کے ایک ترجمان کے مطابق 25 اکتوبر کو پنجاب کے شہر حاصل پور کے اسسٹنٹ کمشنر محمد طیب نے پولیس اور دیگر حکام کے ہمراہ احمدیوں کی ایک عبادت گاہ کا ایک حصہ منہدم کر دیا۔سال کے دوران میں پولیس نے دو احمدی عبادت گاہوں کو راولپنڈی میں اور ایک کو لاہور میں امن وامان کے لئے سنگین خطرہ قرار دیتے ہوئے سربمہر کر دیا۔جون میں پولیس نے شیخوپورہ میں احمدیوں کو ایک عبادت گاہ میں جانے سے روک دیا اور اُن سے تحریری ضمانت لی کہ وہ یہاں عبادت نہیں کریں گے۔ستمبر میں پولیس نے ننکانہ صاحب میں ایک نوتعمیر شدہ عبادت گاہ میں اور گوجرانوالہ میں ایک نجی جگہ پر احمدیوں کو عبادت کرنے سے روکا۔احمدی ذرائع کے مطابق پولیس نے یہ کارروائیاں مسلمان علماء کی طرف سے احمدیوں کو عبادت سے روکنے کا مطالبہ کرنے پر کیں۔سول سوسائٹی کے اراکین نے یہ بھی بتایا کہ حکام نے احمدیوں کی عبادت گاہوں پر حملہ کرنے، انہیں تباہ کرنے اور انہیں نظر آتش کرنے والے حملہ آوروں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔گزشتہ برسوں فسادات کے دوران میں جن احمدی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا گیا یا جنہیں منہدم کیا گیا، مقامی حکام نے ان کی تعمیر ومرمت کرنے یا انہیں کھولنے کی اجازت نہیں دی۔

احمدی رہنماؤں کے مطابق حکام احمدیوں کو توہین رسالت ﷺ، احمدیوں کے خلاف کی جانے والی قانون سازی کی خلاف ورزی اور دیگر جرائم کے باعث ہراساں کرتے رہے۔احمدی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ قادیانی احمدیوں کو بالواسطہ اور بلاواسطہ اپنے آپ کو مسلمان کے طور پر پیش کرنے کے قانون کے مبہم الفاظ کی وجہ سے اُن کے لوگوں کو اسلام کے طریقہ کار کے مطابق سلام کرنے یا اپنے بچوں کا نام محمد رکھنے سے منع کیا جاتا ہے اور ایسا کرنے کی صورت میں حکام اُن کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔28 مارچ کو لاہور ہائی کورٹ نے ایک شخص کی درخواست پر کہ احمدیوں نے ایپ سٹور اور دیگر ذرائع پر قرآن مجید کی تحریف شدہ نقول پھیلا دی ہیں۔پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) اور پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) کو حکم دیا کہ وہ ایپ سٹور اور سوشل میڈیا کے دیگر فورمز پر موجود تحریف شدہ قرآن اور دیگر مذہبی مواد کو ہٹائے یا بلاک کر دے۔

اگرچہ قانون کے مطابق یہ ضروری ہے کہ توہین رسالت ﷺ کی کسی شکایت کے اندراج سے پہلے کوئی سینئر پولیس افسر اس الزام کی تحقیقات کرے۔این جی اوز اور قانونی مبصرین کا کہنا ہے کہ اس قانونی تقاضہ کو پورا کرتے ہوئے معروضی تحقیقات کے نتیجہ میں توہین رسالت کے کئی الزامات بے بنیاد ثابت ہو سکتے ہیں۔کچھ این جی اوز کا کہنا ہے کہ پولیس اس طریقہ کار پر پوری طرح عمل درآمد نہیں کرتی۔کچھ مقدمات میں پولیس نے ملزمان کا چودہ دن کا ریمانڈ عدالت سے یہ کہہ کر حاصل کیا کہ ایک سینئر افسر تحقیقات کرے گا۔لیکن یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اوقات سینئر پولیس افسر کے بجائے نچلے درجہ کا پولیس افسر توہین رسالت ﷺ کا مقدمہ دائر کر لیتے ہیں جبکہ سینئر افسر کے پاس بے بنیاد الزام مسترد کرنے کا زیادہ اختیار ہوتا ہے۔این جی اوز کو یہ بھی شکایت ہے کہ پولیس پوری طرح تحقیقات نہیں کرتی۔این جی اوز اور قانونی مبصرین کہتے ہیں کہ پولیس توہین رسالت کے جھوٹے الزام لگانے والے افراد کے خلاف کاروائی سے بھی احتراز کرتی ہے۔

مذہبی تنظیموں اور انسانی حقوق کے مختلف گروپوں کے مطابق اگرچہ توہین رسالت ﷺ کے جرم میں ماخوذ ہونے اور سزا پانے والوں کی اکثریت مسلمان ہے لیکن مذہبی تنظیموں اور انسانی حقوق کے گروپوں کا کہنا ہے کہ مذہبی اقلیتوں کو آبادی میں اُن کے اپنے تناسب سے کہیں زیادہ توہین رسالت کے الزامات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔مختلف ذرائع سے جمع کئے جانے والے اعداد وشمار کے مطابق 2001ء سے اب تک 28 مسلمانوں کو، 16 عیسائیوں کو اور 4 احمدیوں کو توہین رسالت ﷺ کے جرم میں سزائیں سنائی جا چکی ہیں۔

قادیانیوں کے ذرائع کے مطابق حکومت شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوانے کے خواہش منداحمدیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ حلفیہ بیان دیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ رب العزت کے آخری نبی اور رسول ہیں اور یہ کہ احمدی تحریک کا بانی جھوٹا نبی ہے۔احمدیوں کا کہنا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو احمدی قرار دیں تو اُن کے پاسپورٹ میں لفظ احمدی تحریر کیا جاتا ہے۔2018ء میں اسلام آباد ہائی کورٹ نے ایک فیصلہ دیا جس میں کہا گیا کہ شہریوں کو فوج، عدلیہ اور دیگر سرکاری ملازمتوں میں شامل ہونے سے پہلے اپنے عقائد کے بارے میں حلفیہ بیان دینا ہوگا۔اور پارلیمنٹ کو ہدایت دی گئی کہ وہ قوانین میں اس طرح کی ترامیم کرے کہ قادیانی اسلامی نام نہ رکھ سکیں اور نہ ہی وہ اسلامی اصطلاحات استعمال کرسکیں۔سال کے آخر تک قومی اسمبلی یا سینٹ نے 2018ء میں سنائے جانے والے اس فیصلہ پر کوئی عملی قدم نہیں اُٹھایا تھا۔لیکن احمدیوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کی روشنی میں نادرا شناختی کارڈ بنوانے کے خواہشمند احمدیوں سے یہ بیان حلفی لیتی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔احمدیوں کے مطابق حکومت نے مسلمانوں کے ووٹوں کی فہرست میں اندراج کے خواہش منداحمدیوں پر یہ پابندی عائد کر کے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی اور رسول ہونے کا حلفیہ بیان دیں۔جو کہ اُن کے عقیدے سے مطابقت نہیں رکھتا، یوں ان کی برادری کو ووٹروں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے۔جو لوگ اپنے آپ کو احمدی ووٹر کے طور پر رجسٹر کراتے ہیں۔اُن کے ووٹوں کا اندراج ایک الگ فہرست میں کیا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے ان کی جانوں کو خطرہ لاحق ہوتا ہے اور یوں بہت سے احمدی انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کی اپنی دیرینہ پالیسی پر کاربند رہنا پسند کرتے ہیں۔

اگرچہ سندھ ہندو میرج ایکٹ میں سکھوں کی شادیوں کا اندراج بھی کیا گیا ہے لیکن سکھ رہنماؤں کا کہنا ہے کہ اُن کے لئے ایک الگ سکھ قانون ہونا چاہیئے تا کہ انہیں ہندو مذہب کا حصہ نہ سمجھا جائے۔

احمدیوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ احمدی خاندانوں کو یونین کونسلوں میں اپنی شادیوں کا اندراج کرانے میں بھی دشواریوں کا سامنا ہے۔یہ یونین کونسلیں احمدیوں کو مسلم فیملی لاء مجریہ 1961ء کے دائرہ کار سے باہر تصور کرتی ہیں۔عیسائیوں کے کچھ نمائندوں کا بھی یہ کہنا ہے کہ انہیں اسلام آباد کی یونین کونسلوں میں اپنی شادیوں کو رجسٹر کرانے میں مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ یہ کونسلیں کہتی ہیں کہ انہیں عیسائی شادیوں کو رجسٹر کرنے والوں کے ساتھ معاملات کرنے کا اختیار نہیں ہے۔عیسائی شادیوں کے رجسٹرار عموماً چرچ کے پادری ہوتے ہیں۔اس وقت پارلیمنٹ، چرچ حکام اور قانونی ماہرین عیسائی شادیوں سے متعلق ایک مسودہ پر صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔جس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہوگا، اس سلسلے میں موجودہ قانون 1872ء میں وضع کیا گیا تھا۔اراکین قومی اسمبلی، وزارت انسانی حقوق اور وزارت قانون کے حکام نے مختلف مکاتب فکر کے چرچوں اور این جی اوز کے نمائندوں کے ساتھ صلاح مشورے کئے ہیں لیکن سال کے اختتام تک مسودہ میں طلاق اور بین المذاہب شادیوں سے متعلق شقوں پر اتفاق رائے پیدا نہیں ہو سکا ہے۔این جی اوز وزارت انسانی حقوق کی طرف سے بل پر تمام فریقین کے ساتھ مشاورت کرنے اور اس کو منظور کرانے کی کوششیں کرنے پر اس کی تحسین کرتے ہوئے اس امر کے لئے کوشاں ہیں کہ اس میں کچھ ایسی ترامیم شامل کی جائیں کہ جن حالات میں طلاق لی جا سکے اُن کا دائرہ کار بڑھا دیا جائے۔

حکومت مسلمانوں کو حج کرنے میں جملہ سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔لیکن احمدی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ چونکہ اُنہیں مسلمان کی حیثیت سے پاسپورٹ کے لئے درخواست دیتے وقت یہ حلفیہ بیان دینا ہوتا ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ رب العزت کے آخری نبی اور رسول ہیں اور یہ کہ احمدی جماعت کا بانی جھوٹا اور گمراہ ہے۔اس لئے وہ حج کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

حکومت اپنے تمام باشندوں کو بلاتفریق مذہب اسرائیل جانے سے منع کرتی ہے۔بہائی برادری کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس پابندی سے سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ ان کا روحانی اور انتظامی مرکز یعنی بہائی ورلڈ سنٹر حیفہ اسرائیل میں واقع ہے۔عیسائی مذہب کے لوگ بھی حکومت پر زور دیتے رہے ہیں کہ وہ انہیں اسرائیل جانے کی اجازت دے۔جنوری میں وفاقی حکومت نے ایک یہودی شہری فشل بن خالد کو اسرائیل جانے کی اجازت دی کیونکہ اُس نے وزارت خارجہ کو اس کے لئے خصوصی درخواست دی تھی۔

قانون نافذ کرنے والے ذرائع اور اخبارات کے مطابق اسلامی مہینہ محرم الحرام کے شروع ہونے سے کچھ ہفتے پہلے سے لے کر اس مہینہ کے دوران میں جو کہ شیعہ مسلمانوں کے لئے خصوصی اہمیت رکھتا ہے وفاقی اور صوبائی سطح پر وزارت داخلہ کی فہرست 4 میں اندراج شدہ درجنوں علماء کی نقل وحمل کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ سول سوسائٹی اور اخبارات کی اطلاعات کے مطابق ان افراد کی نقل وحمل محدود کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرقہ ورانہ کشیدگی کو ہوا دیتے ہیں۔

کچھ اقلیتی نمائندوں کا کہنا ہے کہ بڑی پارٹیوں کی طرف سے اندرونی صلاح مشورے کے نتیجے میں یا رقم خرچ کر کے نامزدگی حاصل کرنے والے لوگوں کے ذریعے اقلیتی اراکین پارلیمنٹ کے انتخاب کا طریقہ کار متعلقہ اقلیتوں کو حقیقی نمائندگی سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔ کچھ اور لوگوں کا خیال ہے کہ مخصوص نشستوں پر آنے والے نمائندے اپنی پارٹیوں اور قومی اسمبلی میں زیادہ اثر ورسوخ نہیں رکھتے کیونکہ اُن کا حلقہ انتخاب نہیں ہوتا۔

مسلمان منتخب نمائندوں پر لازم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی اور رسول ہونے پر ایمان رکھنے کا حلف اٹھائیں۔ اس لئے احمدی اس زمرے میں شامل ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ کسی سرکاری ذمہ داری پر کام کرنا چاہیں تو اُنہیں اپنا آپ کو غیر مسلم قرار دینا پڑتا ہے، جبکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

حکومت بہت محدود پیمانے پر غیر مسلم غیر ملکی مشنری سرگرمیوں کی اجازت دیتی ہے۔ اور وہ مذہب تبدیل کرنے کی بھی اجازت دیتی ہے بشرطیکہ وہ اسلام کے خلاف تبلیغ نہ کریں اور یہ تسلیم کریں کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ حکومت کی امیگریشن ویب سائٹ کے مطابق وزارت داخلہ غیر ملکی مشنریوں کو ملک کے اندر رجسٹر تنظیموں کی طرف سے دعوت ملنے پر ویزہ دیتی ہے۔ یہ ویزے ایک سال کے لئے کارآمد ہوتے ہیں اور اس دوران میں صرف ایک بار ملک میں دوبارہ داخل ہوا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مشنری حلقے یہ بات جانتے ہیں کہ ملک سے باہر جانے والے مشنریوں کی جگہ لینے کے لئے طویل مدت کے لئے پہلی بار آنے والے مشنریوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ تبادل ویزہ حاصل کریں۔ ویب سائٹ کے مطابق ماسوائے بھارت سے آنے والوں کے ویزوں میں توسیع دو برس کے لئے دی جا سکتی ہے۔ اور پھر ایک سال میں دو بار ملک واپس آنے کی اجازت ہوگی۔ ایک مسیحی تنظیم سے منسلک پچاس مشنریوں کو دوبارہ ویزے جاری کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ ان کی اپیل کافی عرصہ سے زیر غور تھی ان میں کئی مشنری طویل مدت سے پاکستان میں رہ رہے تھے۔

2018ء میں وفاقی کابینہ نے PECA میں ترامیم کا ایک بل منظور کیا جس کا مقصد توہین رسالت اور عریانی کو اس ایکٹ کے تحت لانا تھا۔ ان ترامیم میں انفارمیشن سسٹم کے ذریعے قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے پر عمر قید کی سزا اور توہین رسالت ﷺ پر سزائے موت تجویز کی گئی ہے۔ سال کے آخر تک یہ بل قانون سازی کے عمل سے گزر رہا تھا۔

حکومت وقتاً فوقتاً اخبارات میں اشتہار دے کر اور پی ٹی اے کے ذریعے موبائل فونز پر پیغامات کے ذریعے سوشل میڈیا پر توہین رسالت ﷺ اور دیگر غیر قانونی مواد کی اشاعت کے خلاف متنبہ کرتی رہی ہے۔ ان پیغامات میں بتایا گیا کہ سوشل میڈیا پر توہین رسالت ﷺ، عریانی اور فحاشی، دہشت گردی اور دیگر غیر قانونی مواد شیئر کرنا جرم ہے۔ صارفین کو مشورہ دیا گیا کہ وہ ایسے مواد کے بارے میں content-complaint@pta.gov.pk پر ای میل کریں تا کہ متعلقہ مجرموں کے خلاف PEAC مجریہ 2016ء کے تحت کاروائی کی جا سکے۔

جولائی میں پی ٹی اے کے چیئرمین عامر باجوہ نے سینٹ کو بتایا کہ حکومت کو چاہیئے کہ وہ پی ٹی اے کی تیکنیکی صلاحیت میں اضافہ کرے یا سوشل میڈیا کی ویب سائٹس پر شیئر کیا جانے والا توہین پر مبنی مواد بلاک کرے جو دیگر ممالک سے آ رہا ہے۔ عامر باجوہ نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ حکومت کو دیگر ممالک کے ساتھ قانونی اُمور میں تعاون کرنے کے معاہدے کرنے چاہیں تا کہ اُن ممالک میں ہی توہین آمیز مواد کا قلع قمع کیا جا سکے جہاں سے اسے سوشل میڈیا پر ڈالا جا رہا ہے۔ عامر باجوہ نے مزید بتایا کہ 2010ء سے اب تک پی ٹی اے کو توہین آمیز مواد سے متعلق ساڑھے آٹھ ہزار شکایات موصول ہوئیں۔ اور اس نے چالیس ہزار ویب سائٹس کو توہین آمیز مواد رکھنے کے باعث بلاک کیا۔ انسانی حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ حکومت اس پیش رفت کو مذہبی معاملات سمیت انٹرنیٹ پر موجود اپنے مخالف مواد کو ہٹانے کے لئے بھی استعمال کر سکتی ہے۔

کچھ اقلیتی نمائندوں کے مطابق حکومت منظم مذہبی گروپوں کو اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے اور اپنے مذہبی ماہرین کو تربیت دینے کی اجازت دیتی رہی ہے۔اس سال کے دوران میں کچھ ہندو اور سکھ عبادت گاہوں کو نئے سرے سے کھولا گیا۔29 جولائی کو متروکہ وقف املاک بورڈ نے سیالکوٹ کے قریب ایک ہزار سال پرانا تیجا سنگھ مندر کھولا۔جو 1947ء سے بند چلا آرہا تھا۔حکومت نے ہر سال مزید ہندو مندروں کی تعمیر و مرمت کرنے اور انہیں کھولنے کا اعلان کیا ہے۔9 نومبر کو حکومت نے گوردوارہ دربار صاحب کی تعمیر نو کر کے اُسے سکھ یاتریوں کے لئے کھول دیا اور بھارت سے آنے والے یاتریوں کو ویزہ فری ٹرانزٹ کاروڈور کرتار پورہ کے مقام پر فراہم کیا۔سکھ مت کے بانی بابا گرونانک اسی مقام پر سورگ باش ہوئے تھے بحالی سے پہلے اس مقام کی حالت بہت خستہ ہو چکی تھی اور بھارت کے سکھ یاتری یہاں نہیں آسکتے تھے۔وزیر اعظم عمران خان نے اس کا افتتاح کرتے ہوئے سکھ یاتریوں کو خوش آمدید کہا اور گورونانک اور مذہبی رواداری پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اگرچہ سرکاری طور پر احمدیہ عبادت گاہیں تعمیر کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔لیکن احمدی رہنماؤں کے مطابق مقامی سرکاری حکام تعمیر کی اجازت دینے سے انکاری ہیں۔قانون کی رو سے احمدی اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے۔

این جی اوز اور قانونی ماہرین مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ اقلیتوں کے حقوق کا قانونی ڈھانچہ ابھی تک واضح نہیں ہے۔اگرچہ سرکاری طور پر وزارت قانون تمام شہریوں کے قانونی حقوق کی نگہبان ہے۔لیکن عملی طور پر مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری وزارت انسانی حقوق نے سنبھالی ہوئی ہے۔انسانی حقوق کے قومی کمیشن کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی شکایات کی تحقیق کرے۔لیکن قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ کمیشن کے پاس اپنی سفارشات پر عمل درآمد کرانے کی قوت نہیں ہے۔سال کے آخر یہ کمیشن بدستور اپنی دوسری چار سالہ مدت کے لئے نئے مینڈیٹ سے اور نئے کمشنروں سے محروم رہا۔

مذہبی اقلیتی نمائندوں کا کہنا ہے کہ وفاقی وزارت انسانی حقوق اور قانون و انصاف اور ان کی متوازی صوبائی وزارتوں کی طرف سے اقلیتوں کے حقوق اور ان کے تحفظ سے متعلق قوانین کے اطلاق میں تواتر نہیں ہے۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حکومت سماجی اعتبار سے امتیازی سلوک اور نظر انداز کئے جانے کے خلاف اقدامات اٹھانے میں کچھ زیادہ سنجیدہ نہیں ہے اور عیسائیوں، ہندوؤں، سکھ اور احمدیوں کو سرکاری طور پر کسی نہ کسی سطح تک امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔جبکہ احمدیوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا سلوک سب سے بدتر ہے۔

8 اگست کو مسلمان، ہندو، عیسائی، سکھ اور بہائی مذاہب سے تعلق رکھنے والے نمائندوں نے وزیر اعظم کو ایک مشترکہ درخواست پیش کی اور خواتین اور اقلیتوں کو زیادہ تحفظ فراہم کرنے کا کہا۔اس درخواست میں کہا گیا کہ ملک بھر میں خواتین کی شادی کی قانونی عمر سولہ سال سے بڑھا کر اٹھارہ سال مقرر کی جائے، وفاق کی سطح پر اقلیتوں کے حقوق کی وزارت قائم کی جائے، قومی اور بین الاقوامی سطح پر دیئے جانے والے تعلیمی وظائف میں سے پانچ فیصد اقلیتوں کے لئے مختص کئے جائیں۔حکومت کو اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر قبضہ کرنے سے روکا جائے، سرکاری اداروں میں اقلیتوں کے لئے عبادت کی جگہیں فراہم کی جائیں۔اس کے علاوہ اس درخواست میں مزید کہا گیا کہ اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کی روک تھام کے لئے قانون سازی کی جائے۔نصاب سے نفرت انگیز مواد ختم کیا جائے۔اقلیتوں کے سکولوں کی حفاظت کے لئے سرکاری طور پر مدد فراہم کی جائے۔اغواء کی وارداتوں کی روک تھام، جنسی تشدد اور اقلیتی خواتین کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کیخلاف قوانین بنائے جائیں۔سب سے آخر میں استدعا کی گئی کہ اقلیتوں کو توہین رسالت ﷺ قوانین کے غلط استعمال سے محفوظ رکھنے کے لئے خصوصی اقدامات اٹھائے جائیں۔

کچھ واقعات میں اعلیٰ سرکاری حکام نے سرکاری اہلکاروں کی طرف سے امتیازی سلوک کی مذمت کی۔مارچ میں حکمران پی ٹی آئی نے پنجاب کے صوبائی وزیر اطلاعات و ثقافت فیاض الحسن چوہان کو ہندوؤں کے خلاف توہین آمیز تقریر کرنے پر مستعفی ہونے پر مجبور کیا۔اور کابینہ کے کئی وزراء نے چوہان کی اس تقریر کی مذمت کی۔بعد میں فیاض الحسن چوہان کو جولائی میں کالونیز کا وزیر بنایا گیا اور دسمبر میں دوبارہ اطلاعات اور ثقافت کی وزارت دی گئی۔

قانونی مبصرین نچلی عدالتوں کی طرف سے توہین رسالت ﷺ کے مقدمات میں شہادتوں کے کم سے کم معیار کا خیال نہ رکھنے پر تشویش کا اظہار کرتے آئے ہیں۔جس کی وجہ سے بعض افراد کو اعلیٰ عدالتوں کی طرف سے دادرسی ہونے اور ناکافی شہادتوں کی بنیاد پر سزا ختم کرنے کے فیصلے ہونے تک برسوں قید کی سزا بھگتنا پڑی۔قانونی ماہرین کے مطابق کچھ نچلی عدالتوں میں توہین رسالت ﷺ کے خلاف سرگرم گروپس مثلاً تحریک لبیک پاکستان کی طرف سے ملزمان کے اہل خانہ، ہمدردوں اور وکلاء صفائی کو دھمکیاں دینے کے خوفزدہ ماحول میں مقدمات کی سماعت جاری رکھی گئی۔توہین رسالت ﷺ کے کچھ مقدمات کی سماعت سیکورٹی کے خدشات کی وجہ سے جیلوں کے اندر جاری رکھی گئی۔یوں یہ سماعت عام لوگوں سے پوشیدہ رہی۔اگرچہ سیکورٹی کا ماحول حاصل ہوا لیکن سماعت کی شفافیت متاثر ہوئی۔ان مبصرین کے مطابق نچلی عدالتوں کی طرف سے بروقت سماعت نہ کرنے یا ملزمان کو رہا کرنے سے احتراز کرنے کی بنیادی وجہ سخت نگرانی اور انتقامی کاروائیوں کا خوف ہے۔قانونی مبصرین کا کہنا ہے کہ جج اور مجسٹریٹ احتجاج کرنے والے گروہوں کے خوف سے اکثر سماعت ملتوی کرتے یا اسے غیر معینہ مدت تک لٹکاتے رہتے ہیں۔

سرکاری حکام اور سیاست دان ملک کے بڑے شہروں اور مذہبی اجتماعات میں منعقد ہونے والی ختم نبوت ﷺ کانفرنسوں میں شرکت کرتے اور تقاریر کرتے رہے ہیں۔ان کانفرنسوں کا انعقاد اُن گروپوں کی طرف سے کیا گیا جو کہتے ہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کی بنیادی اسلامی تعلیم کا دفاع کر رہے ہیں۔ان کانفرنسوں میں احمدیوں کے خلاف تقاریر کی جاتی ہیں۔6 جنوری کو گولڑہ شریف اسلام آباد میں منعقد ہونے والی ختم نبوت ﷺ کانفرنس میں وزیر اعظم کے خصوصی معاون سید ذوالفقار بخاری نے شرکت اور تقریر کی۔اخباری اطلاعات کے مطابق ذوالفقار بخاری نے کہا کہ ختم نبوت کے خلاف کسی بھی پروپیگنڈے کا جواب دینے والا پہلا ملک پاکستان ہوگا۔اور اس دینی فریضہ کے خلاف کام کرنے والے انسان نہیں ہیں۔بعد میں بخاری نے اس بات کی تردید کی کہ انہوں نے قادیانیوں کے خلاف کوئی بیان دیا ہے۔26 مارچ کو انہوں نے ایک ٹویٹ کیا کہ پاکستان سارے پاکستانیوں کا ہے۔6 اگست کو صوبہ خیبر پختونخوا کے وزیر اطلاعات شوکت یوسفزئی نے پشاور میں ایک ختم نبوت ﷺ کانفرنس سے خطاب کیا۔

اقلیتی مذہبی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ انہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے کے حوالے امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔احمدی نمائندوں کے مطابق یونیورسٹیوں میں داخلہ کی درخواست دیتے وقت طلبہ کو جس حلف نامہ پر دستخط کرنا پڑتے ہیں، اس کی وجہ سے احمدی اپنے آپ کو مسلمان قرار نہیں دے سکتے۔اگر وہ اس حلف نامہ پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بخود داخلہ کی شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے داخلہ لینے کے اہل نہیں رہے۔حکومت کا کہنا ہے کہ اگر احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا دعویٰ نہ کریں تو وہ داخلہ لے سکتے ہیں۔

مذہبی اقلیتی گروہوں کا کہنا ہے کہ سرکاری تعلیمی اداروں میں قرآن مجید کے حافظ مسلمان طلبہ کو اضافی نمبر دیئے جاتے ہیں جبکہ مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے لئے ایسی کوئی سہولت دستیاب نہیں ہے۔

زیادہ تر مذہبی اقلیتی گروہوں کا کہنا ہے کہ انہیں سرکاری ملازمتوں کے حصول میں امتیازی سلوک کا نشانہ بننا پڑتا ہے لیکن مستثنیات بھی سامنے ہیں۔ستمبر میں ملک میں پہلی بار ایک ہندو خاتون پشپا کماری کو پولیس میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے عہدے پر فائز کیا گیا۔اگرچہ وفاق کی سطح پر ملازمتوں میں پانچ فیصد کوٹہ اقلیتوں کے لئے مختص ہے لیکن اقلیتی تنظیموں کا کہنا ہے کہ سرکاری حکام اس کوٹہ پر عمل درآمد نہیں کرتے۔15 اکتوبر کو صوبہ خیبر پختونخوا کی حکومت نے سپریم کورٹ کو بتایا کہ اُس نے ملازمتوں میں اقلیتوں کا کوٹہ تین فیصد سے بڑھا کر پانچ فیصد کر دیا ہے۔سندھ، بلوچستان اور پنجاب میں پہلے ہی پانچ فیصد سرکاری ملازمتیں اقلیتوں کے لئے مختص ہیں۔تاہم مذہبی اقلیتی کارکنوں کے مطابق صوبائی حکومتیں اکثر و بیشتر سرکاری ملازم رکھتے وقت اس کوٹہ پر عمل درآمد نہیں کرتیں۔

اقلیتوں کے حقوق کے لئے سرگرم کارکنوں کے مطابق صفائی کے عملہ کی بھرتی کے لئے سرکاری طور پر دیئے جانے والے اشتہارات میں اس کی بنیادی اہلیت غیر مسلم ہونا لکھی جاتی ہے۔اقلیتوں کے حقوق کے کارکنوں کے نزدیک اس طرح کے اشتہار توہین آمیز اور امتیازی ہیں۔جون میں پاک فوج کی طرف سے مجاہد فورس میں خاکروبوں کی بھرتی کے لئے دیئے جانے والے ایک اشتہار میں یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ صرف عیسائی اس ملازمت کے لئے درخواست دینے کے اہل ہیں۔اس پر تمام مکاتب فکر کے انسانی حقوق

کے کارکنوں نے تنقید کی۔ 28 جون کو آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل نے بیان دیا کہ یہ اشتہار درست کر کے دوبارہ شائع کیا گیا ہے اور اس میں اس طرح کی کوئی شرط عائد نہیں کی گئی ہے۔

اقلیتوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ غیر قانون قدغنیں انہیں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر ترقی پانے سے روکتی ہیں۔ لیکن ایک این جی او کا کہنا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے محدود مواقع کے باعث بہت کم اقلیتی اراکین اعلیٰ ملازمتوں پر تعینات ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ فوج میں کسی اقلیتی افسر کی ترقی پر سرکاری طور پر کوئی قدغن نہیں ہے لیکن عملی اعتبار سے غیر مسلم فوجی افسر بہت ہی کم کرنل کے عہدے سے آگے جا پاتے ہیں۔ اور انہیں بھی کسی سینئر عہدے پر تعینات نہیں کیا جاتا۔

اس سال کے دوران میں وزارت انسانی حقوق اور تعلیم نے نصابی کتب میں نفرت انگیز مواد کے حوالے سے اقلیتی نمائندوں کے ساتھ صلاح مشورہ کیا۔ وزارت انسانی حقوق کے حکام نے اگست میں بتایا کہ اُن کی طرف سے نظر ثانی اور پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخوا کی صوبائی حکومتوں کی طرف سے مزید نظر ثانی کے بعد ان صوبوں کے سکولوں کے نصاب سے تمام نفرت انگیز مواد ہٹا دیا گیا ہے۔ وزارت انسانی حقوق نے بتایا کہ وزارت تعلیم نے نفرت انگیز مواد ہٹانے کے بارے میں اس کی ساری سفارشات مان لی ہیں لیکن حقوق کے حوالے سے نیا مواد شامل کرنے کی سفارشات تسلیم نہیں کیں۔ کچھ اقلیتی مذہبی نمائندوں کا کہنا ہے کہ نظر ثانی کے عمل میں ان کی شرکت بہت ہی محدود تھی۔ تاہم انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ نصاب میں اب بھی کچھ پریشان کن مواد موجود ہے۔ مارچ میں پنجاب کو وزیر برائے انسانی حقوق و اقلیتی اُمور اعجاز عالم آگسٹین نے بیان دیا کہ نصاب کی تیاری کے وقت پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں عیسائی نمائندے بھی شامل کئے جائیں گے تا کہ توہین آمیز مواد ہٹایا جا سکے۔ لیکن بتایا گیا ہے کہ سال کے آخر تک اس اعلان پر عمل درآمد نہیں ہو سکا تھا۔ احمدیوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ علماء کی مقامی تنظیمیں احمدیوں کے خلاف تیار کئے گئے سٹکر سکولوں میں تقسیم کرتی ہیں تا کہ انہیں درسی کتب پر چسپاں کیا جائے۔ ان سٹکروں پر اس طرح کی عبارتیں درج ہوتی ہیں۔ ''شریعت میں قادیانیوں کے ساتھ بات چیت کرنا یا کاروبار کرنا منع ہے''۔ ''نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے ساتھ محبت کا پہلا ثبوت قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ کرنا ہے۔'' ''اگر آپ کا استاد قادیانی ہو تو اُس سے پڑھنے سے انکار کیجئے۔''

اگرچہ سکولوں میں یہ لازم ہے کہ مسلمان طلبہ کو قرآن اور اسلامیات کی تعلیم دی جائے۔ مگر ذرائع کا کہنا ہے کہ بہت سے غیر مسلم طلبہ کو بھی اس میں شرکت کرنا پڑتی ہے کیونکہ اُن کے سکولوں میں اُن کے مذہبی عقائد یا اخلاقیات کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ حکومت کی طرف سے کسی احمدی استاد کو یہ اجازت نہیں کہ وہ سرکاری سکولوں میں اسلامیات کا مضمون پڑھائے۔

9 نومبر کو سکھ گوردوارہ دربار صاحب کمپلیکس کے لئے کرتار پورہ کاروڈور کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم عمران خان، وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی اور وزیر مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی نور الحق قادری نے امن اور بین المذاہب ہم آہنگی پر تقاریر کیں۔ وزارت مذہبی اُمور کے زیر اہتمام ہندوؤں کے تہوار ہولی کے سلسلے میں منعقد ہونے والی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے نور الحق قادری اور پی ٹی آئی کے کئی اراکین قومی اسمبلی نے حکومت کے اس عزم کا اعادہ کیا کہ وہ اغواء اور زبردستی مذہب تبدیل کرنے کے واقعات کی روک تھام کرے گی۔ رکن قومی اسمبلی بلاول بھٹو زرداری نے ہندوؤں کا تہوار دیوالی ایک سکھ گوردوارے میں منایا۔

حکومت نے یکم سے ۱۰ ستمبر تک، عاشورہ کی تقریبات مناتے ہوئے اور نو اور دس محرم الحرام کو بالخصوص مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی کی ضرورت پر زور دیا۔ وزیر اعظم عمران خان، صدر مملکت عارف علوی اور وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے عاشورہ کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار رہیں۔ پنجاب بھر کے بڑے شہروں کے ساتھ ساتھ خیبر پختونخوا، بلوچستان اور کوئٹہ میں ہزارہ شیعہ کمیونٹی کے جلوسوں کی حفاظت کی غرض سے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے خصوصی انتظامات کئے تھے۔ سول سوسائٹی کے ذرائع کے مطابق حکام نے فرقہ وارانہ تشدد پر اُکسانے والے سُنی اور شیعہ علماء کی نقل و حرکت اور تقاریر پر پابندی عائد کر دی تھی۔ حکومت نے چند علماء کے نام فہرست 4 میں شامل کر رکھے ہیں، اس فہرست میں اُن لوگوں کو شامل کیا گیا ہے جن کے بارے میں قوی شبہ ہے کہ وہ دہشت گردی اور فرقہ وارانہ تشدد میں ملوث ہیں۔ بعض دیگر افراد کو امن عامہ برقرار رکھنے کے قانون کے تحت حراست میں لیا گیا۔

حکام نے پورا سال مسیحی اور ہندو عبادت گاہوں کو مختلف مواقع پر خصوصی تحفظ فراہم کیا۔ 15 مارچ کو نیوزی لینڈ میں ایک مسجد پر ہونے والے حملہ کے بعد، جس میں اکاون مسلمان جاں بحق ہو گئے تھے، حکومت نے ملک بھر میں مسیحی عبادت گاہوں کو خصوصی سیکورٹی مہیا کی۔ عیسائی رہنماؤں کے مطابق یہ اقدام عیسائیوں کے خلاف ممکنہ جوابی حملوں کے خطرے کے پیش نظر اُٹھایا گیا تھا۔ 18 نومبر کو سندھ کے وزیر اقلیتی اُمور ہری رام کشوری لعل نے اعلان کیا کہ صوبائی حکومت صوبہ بھر میں اقلیتوں کی 243 عبادت گاہوں کی حفاظت بہتر بنانے کے لئے کلوز سرکٹ ٹی وی کیمرے فراہم کرے گی۔ بہت سے کارکنوں اور عیسائی مذہبی رہنماؤں نے بتایا کہ ہولی، عاشورہ اور کرسمس کے مواقع پر لاہور پشاور اور کوئٹہ میں بہتر حفاظتی اقدامات کئے گئے۔

سندھ کی صوبائی حکومت نے ہندو سرکاری ملازمین کے لئے دیوالی کے تہوار کے موقع پر سرکاری چھٹی کا اعلان کیا۔

کچھ مدارس کے بارے میں یہ اطلاعات ہیں کہ وہ انتہا پسندی اور تشدد کی تعلیم دیتے ہیں۔ جبکہ حکومت اس رجحان کو مدارس کی رجسٹریشن اور نصاب میں اصلاحات کے ذریعے ختم کرنا چاہتی ہے۔ 3 ستمبر کو وفاقی حکومت نے ملک بھر کے تیس ہزار مدارس کی رجسٹریشن اور انتظامی کنٹرول وزارت تعلیم کے سپرد کرنے کی منظوری دی۔ وزیر اعظم عمران خان، وزیر تعلیم شفقت محمود اور چیف آف آرمی سٹاف جنرل قمر جاوید باجوہ کا کہنا ہے کہ مدارس کی رجسٹریشن اور نصاب میں اصلاحات لانے کا مقصد یہ ہے کہ مدارس کے طلبہ کو قومی دھارے میں لایا جائے، یکساں تعلیمی پالیسی تشکیل دی جائے اور مدارس کے طلبہ کے لئے بہتر روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ سرکاری حکام کے مطابق پانچوں وفاق ہائے مدارس کے نمائندوں کے ساتھ سارا سال مشاورت کا عمل جاری رہا اور وزارت تعلیم ملک بھر میں رجسٹریشن کے عمل میں آسانی پیدا کرنے کے لئے بارہ علاقائی دفاتر کھولے گی۔

۵ نومبر کو وزارت خارجہ نے اعلان کیا کہ ملک نیشنل ایکشن پلان کے تحت دہشت گردی کے خلاف ٹھوس اقدامات اٹھانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ وزارت نے مزید کہا کہ حکومت نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 1267 پر عمل درآمد کے ضمن میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے ئی ئی تمام ضروری قانونی اور انتظامی اقدامات اٹھائے ہیں۔'' اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے مخصوص افراد اور تنظیموں کو اثاثے منجمد کرنے اور انہیں مالی سہولتوں سے محروم کرنے کی قرارداد منظور کی تھی۔ نیشنل کاؤنٹر ٹیررزم اتھارٹی (نیکٹا) نے "Surfsafe" کے نام سے ایک ایپ 2018ء میں جاری کی تھی۔ یہ ایپ جاری رہی، جس کا مقصد شہریوں کو ایسی ویب سائٹس کی نشاندہی میں مدد دینا ہے جو نفرت انگیز مواد شائع کرتی ہیں۔

اخبارات اور نشریاتی ادارے احمدیوں کے خلاف مواد شائع اور نشر کرتے رہتے ہیں۔ 9 نومبر کو پی ٹی آئی کے سیاست دان اور سابق وزیر برائے سائنس وٹیکنالوجی اعظم سواتی نے ایک لائیو ٹالک شو میں ایک مذہبی سیاستدان کے اس الزام کے جواب میں کہ وزیر اعظم عمران خان احمدیوں سے ہمدردی رکھتے ہیں کہا کہ وہ اور وزیر اعظم عمران خان احمدیوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ وزارت انسانی حقوق کے حکام کا کہنا ہے کہ حکومت نے پیمرا کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ ٹیلی ویژن پروگراموں پر نظر رکھے اور احمدیوں کے خلاف نفرت انگیز مواد نشر ہونے پر متعلقہ ٹیلی ویژن چینل کے خلاف کاروائی کرے۔ احمدی نمائندوں کے مطابق اُردو میں شائع ہونے والے اخبارات اکثر و بیشتر ان کے خلاف نفرت انگیز خبریں اور ایڈیٹر کے نام خطوط میں مواد شائع کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک سال کے دوران میں تین ہزار ایسی خبریں شائع کی گئی ہیں ان میں سے کچھ خبروں میں احمدیوں کے خلاف تشدد آمیز کاروائیوں پر اکسایا گیا تھا۔ سوشل میڈیا پر بھی احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز مواد ہر وقت موجود رہتا ہے۔

سول سوسائٹی گروپس کے مطابق حکومت نے سپریم کورٹ کی طرف سے 2014ء میں دیئے جانے والے اس فیصلہ کی روشنی میں کئی اقدامات اُٹھائے ہیں، جس میں کہا گیا تھا کہ حکومت اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنائے، ملک میں رواداری اور برداشت کا ماحول پیدا کیا جائے، سپریم کورٹ میں شکایات کی سماعت کے لئے ایک طریقہ کار وضع کیا جائے، اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کے لئے ایک ٹاسک فورس بنائی جائے، اور اقلیتوں کے حقوق پر ایک قومی کمیشن تشکیل دیا جائے۔ 3 اکتوبر کو سپریم کورٹ نے اقلیتوں کے حقوق سے متعلق درخوستوں کی سماعت کے لئے سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ایک خصوصی جوڈیشل پینل تشکیل دیا۔ اور عدالت کے اس فیصلہ پر عمل درآمد میں پیش رفت کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمشنر تعینات کیا۔ وزارت انسانی حقوق کے حکام کے مطابق وزارت داخلہ نے اس فیصلہ پر عمل درآمد کے بارے میں

مشاورت کے لئے ایک ٹاسک فورس تشکیل دی ہے جس میں کابینہ کے وزراء، پولیس، آئی ایس آئی اور مذہبی رہنماء شامل کئے گئے ہیں۔ اس ٹاسک فورس کی سربراہی وزارت انسانی حقوق کے پاس ہے جس نے متعلقہ وزارتوں کو دس ترجیحی نکات سے آگاہ کر دیا ہے۔ فیصلے کے مطابق حکومت نے ابھی تک اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کے لئے کوئی ٹاسک فورس نہیں بنائی ہے، تاہم مختلف مذاہب کے رہنماؤں کے مطابق حکومت نے ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے لئے خاطر خواہ اقدامات اٹھائے ہیں۔ انسانی حقوق کے کارکنان مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ وفاقی اور زیادہ تر صوبائی حکومتوں نے 2014ء کے اس فیصلہ کے دیگر نکات پر عمل درآمد کے لئے کچھ خاص ٹھوس پیش رفت نہیں کی ہے۔ اس سلسلے میں انسانی حقوق کے سرگرم اراکین اقلیتوں کے حقوق کے لئے قومی کمیشن کے قیام کے حوالے سے کوئی کام نہ ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وزارت مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی اور وزارت انسانی حقوق کے حکام کا کہنا ہے کہ وہ سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کے قومی کمیشن کے قیام کے لئے سنجیدہ ہیں۔ سول سوسائٹی کے کچھ گروپس کا خیال ہے کہ اس ضمن میں کچھ ٹھوس پیش رفت اس لئے نہیں ہو پا رہی کہ وزارت مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ چونکہ اس وزارت کے تحت ایک بین المذاہب ہم آہنگی کمیشن پہلے سے موجود ہے اس لئے اسی نوعیت اور مقصد کے لئے ایک نئے کمیشن کے قیام کی ضرورت نہیں ہے۔

کمیونٹی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ حکومت مذہبی اقلیتوں سمیت اپنے غریب ترین شہریوں کو جبری مشقت سے محفوظ رکھنے کے لئے خاطر خواہ اقدامات اٹھانے میں ناکام رہی ہے۔ سندھ کے انتیس میں سے صرف آٹھ اضلاع میں ڈسٹرکٹ ویجیلینس کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ جن کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ جبری مشقت کے واقعات پر نظر رکھے اور اس کا قلع قمع کرے۔ ان آٹھ کمیٹیوں میں سے صرف تین کمیٹیاں اپنی قانونی ذمہ داری کما حقہ پوری کر رہی ہیں۔ انسانی حقوق کے کارکنان کے مطابق صوبہ سندھ کے کچھ اضلاع میں اینٹوں کے بھٹوں اور زراعت کے شعبوں میں نچلی ذات کے ہندو اپنی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ تعداد میں جبری مشقت سے متاثر ہو رہے ہیں۔ 19 دسمبر کو سندھ کی صوبائی اسمبلی نے سندھ وومن ایگریکلچر ایکٹ پاس کیا جس کا مقصد زراعت کے شعبہ سے منسلک خواتین کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانا ہے۔ ان خواتین کو تحریری معاہدہ کرنے اور اجرتوں کے تعین کے لئے مشترکہ بات چیت کا حق تفویض کیا گیا تھا۔ لیکن سال کے آخر تک اس قانون پر عمل درآمد کا طریقہ کار وضع نہیں کیا جا سکا تھا۔ سندھ کی صوبائی حکومت نے 2015ء میں پاس ہونے والے انسداد جبری مشقت قانون پر عمل درآمد کے قواعد و ضوابط بھی ابھی تک وضع نہیں کئے ہیں جن کی مدد سے جبری مشقت کی نگرانی اور خاتمہ کا عمل بہتر ہو سکے گا۔

غیر ملکی قوتوں اور غیر ریاستی عناصر کی زیادتیاں

سول سوسائٹی اور میڈیا کے مطابق حکومت کی طرف سے کالعدم قرار دی گئی تنظیموں لشکر جھنگوی، تحریک طالبان پاکستان، سپاہ صحابہ پاکستان سے منسلک فرقہ وارانہ گروپوں اور اقوام متحدہ، امریکہ اور دیگر ممالک کی طرف سے دہشت گرد قرار دی گئی داعش اور دیگر کی جانب سے تشدد کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ گروہ شیعہ مسلمانوں خصوصاً شیعہ ہزارہ کمیونٹی کے خلاف مسلسل حملے کرتے رہے ہیں۔ گذشتہ برسوں کے مقابلہ میں اس سال عیسائیوں کو کسی خونریز حملہ کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ SATP کے مطابق مسلح گروپوں کی طرف سے حملوں کی تعداد میں بحیثیت مجموعی دہشت گردی کے واقعات میں کمی کے تناسب میں تنزل دیکھنے میں آیا ہے۔ فرقہ وارانہ حملوں کی اطلاعات فراہم کرنے والی تنظیموں کا فرقہ وارانہ حملوں کے حوالے سے کوئی خاص پیمانہ نہ ہونے کے باعث ان حملوں کے اعداد و شمار میں تضاد نظر آتا ہے۔ SATP کے مطابق سال بھر انتہا پسند گروپوں کے حملوں اور فرقہ وارانہ تشدد میں ستائیس افراد ہلاک اور اڑسٹھ زخمی ہوئے ہیں۔ یہ تمام حملے شیعہ جلوسوں پر کئے گئے تھے۔

12 اپریل کو کوئٹہ میں پولیس کی نگرانی میں سبزی منڈی جانے والے ہزارہ شیعہ افراد کو ایک بم حملہ کا نشانہ بنایا گیا جس میں آٹھ شیعہ ہزارہ افراد سمیت اکیس افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اڑتالیس زخمی ہوئے۔ ٹی ٹی پی، لشکر جھنگوی اور داعش سمیت ہر تنظیم نے حملہ کی ذمہ داری قبول کی۔ SATP اور دیگر مبصرین کے مطابق یہ حملہ لشکر جھنگوی نے داعش کی مدد سے کیا تھا۔ اس حملہ پر احتجاج کرتے ہوئے ہزارہ کمیونٹی کے افراد نے چار روز تک کوئٹہ میں دھرنا دیا۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ حکومت انہیں دہشت گردوں کے حملوں سے تحفظ فراہم کرے۔ 16 اپریل کو صدر مملکت عارف علوی نے اور 17 اپریل کو وزیر مملکت برائے داخلہ شہریار آفریدی اور بلوچستان کے وزیر اعلیٰ جام کمال

عالیانی نے اس حملہ کا نشانہ بننے والوں کے اہل خانہ اور احتجاج کرنے والوں سے ملاقات کی۔ جبکہ 21 اپریل کو وزیر اعظم عمران خان نے کوئٹہ کا دورہ کیا۔ 7 مئی کو تحریک طالبان پاکستان سے الگ ہونے والے ایک دہشت گرد گروپ حزب الاحرار نے جنوبی ایشیاء کے سب سے بڑے صوفی مزار داتا دربار کے باہر تعینات پولیس پر حملہ کیا۔ جس میں نو افراد جاں بحق اور چوبیس زخمی ہوئے۔ مئی کے اواخر میں پولیس نے کوئٹہ میں ایک شیعہ عبادت گاہ پر دہشت گردوں کے حملہ کرنے کی کوشش کو ناکام بنایا۔ ایک سولہ سالہ لڑکا عورتوں کے لباس میں اس عمارت میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب پولیس نے اُس کو روکا تو اُس نے دستی بم پھینکا۔ جس کے پھٹنے سے وہ خود ہلاک ہو گیا۔ 7 جون کو بلوچستان کے شہر زیارت کے قریب شیعہ زائرین کو لے جانے والی دو گاڑیوں کو نامعلوم دہشت گردوں نے بارودی سرنگوں سے نشانہ بنایا۔ پہلا حملہ ایک مزار سے واپس آنے والے بوہرہ شیعہ زائرین کی گاڑی پر کیا گیا جس کے نتیجہ میں تین افراد جاں بحق ہوئے دوسرے حملہ میں شیعہ ہزارہ کے ایک گروپ کو نشانہ بنایا گیا۔ دو افراد جاں بحق اور سات زخمی ہوئے۔ کسی گروہ نے ان حملوں کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ لیکن محکمہ انسداد دہشت گردی بموں کے ان حملوں کی تحقیقات کر رہا ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خان اور صوبہ خیبر پختونخوا کے دیگر علاقوں میں شیعہ افراد کو نشانہ بنا کر قتل کرنے کے کئی واقعات رونما ہوئے۔ لیکن چونکہ فرقہ واریت اور نسلی تعصّبات آپس میں جڑے ہوئے ہیں اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ قتل خالصتاً فرقہ وارانہ بنیادوں پر ہوئے ہیں۔

SATP اور اخبارات کی اطلاعات کے مطابق انسداد دہشت گردی عدالتوں نے ماضی میں فرقہ وارانہ حملوں اور نشانہ بنا کر قتل و غارت کرنے والے کئی افراد کے خلاف مقدمات کی سماعت کی اور انہیں سزائیں سنائیں۔ ان افراد کا تعلق مختلف دہشت گرد تنظیموں سے تھا۔ بلوچستان میں عیسائیوں اور شیعہ ہزارہ کو قتل کرنے میں ملوث اور سولہ فروری 2017ء کو سہون شریف سندھ میں ایک مزار پر حملہ کرنے کے الزام میں لشکر جھنگوی کے اراکین فرقان بنگلزئی اور علی اکبر کو گرفتار کیا۔ اس حملہ میں ۱۸۲ افراد جاں بحق اور ۳۸۳ زخمی ہو گئے تھے۔ 6 مئی کو کراچی پولیس نے سُنی علماء کو قتل کرنے میں ملوث کالعدم شیعہ تنظیم سپاہ محمد سے منسلک پانچ افراد کو گرفتار کیا۔ 23 مئی کو کراچی کی انسداد دہشت گردی عدالت ایک نے شیعہ وکیل زین العابدین کے قتل کے جرم میں لشکر جھنگوی کے دو دہشت گردوں کو سزائے موت سنائی۔

حصہ سوئم: مذہبی آزادی کے لئے سماجی احترام

سماجی اعتبار سے مذہبی آزادی کی بے حرمتی میں شیعہ اور احمدیوں کی ٹارگٹ کلنگ اور عیسائیوں، ہندوؤں اور احمدیوں کے خلاف امتیازی سلوک اور تشدد شامل ہیں۔ سارا سال نامعلوم افراد شیعہ لوگوں شیعہ ہزارہ کمیونٹی کے افراد اور قادیانی احمدیوں حملے کرتے اور انہیں قتل کرتے رہے۔ ذرائع کے مطابق یہ تمام حملے مذہبی بنیادوں پر کئے گئے۔ منظم دہشت گرد تنظیموں اور حملہ آوروں میں تعلق کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔

بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں شیعہ ہزارہ کیمونٹی کے لوگ اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ انہیں کئی برسوں سے ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اگرچہ حکومت کوئٹہ میں ہزارہ لوگوں کی آبادی کے ارد گرد حفاظتی اقدامات میں کافی بہتری لائی ہے لیکن ہزارہ کیمونٹی کے کچھ افراد کا کہنا ہے کہ ان اقدامات کی وجہ سے اُن کی آبادیاں پسماندگی کا شکار ہیں۔

8 اکتوبر کو بلوچستان کے شہر حب میں ایک ہوٹل سے باہر نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے ایک ہندو تاجر اشوک کمار کو قتل کر دیا۔ مقامی تاجر برادری نے احتجاج کے طور پر سڑکیں بند کیں اور ٹائر جلائے۔ قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا جا سکا اور نہ ہی قتل کی وجہ معلوم ہو سکی ہے۔

احمدی نمائندوں کے مطابق نامعلوم افراد کی طرف سے قادیانیوں کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنانے کے تین واقعات پیش آئے ہیں۔ 3 جنوری کو ضلع منڈی بہاؤالدین میں ایک احمدی مہدی خان کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ قادیانیوں کے نمائندوں کے مطابق مہدی خان اپنے گاؤں میں واحد احمدی تھا اور اُسے تحریک لبیک کی طرف

سے دھمکیاں مل رہی تھیں۔اُس کا خاندان قتل کے بعد خوف کی وجہ سے ایک اور جگہ منتقل ہو گیا ہے۔14 مارچ کو کوہ فتح جنگ کے مقام پر دو احمدیوں کو قتل کیا گیا۔احمدی کیمونٹی کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ٹارگٹ کلنگ تھی جبکہ دیگر ذرائع کے مطابق یہ قتل زمین کے تنازعہ کی وجہ سے بھی ہو سکتے ہیں۔

ارتداد کی وجہ سے کسی کو قتل کرنے کا کوئی واقعہ منظر عام پر نہیں آیا ہے لیکن سول سوسائٹی کے اراکین کا کہنا ہے کہ ترک اسلام کرنے والے اہل خاندان اور معاشرے کی طرف سے تشدد کے خوف سے اپنی رہائش خفیہ رکھتے ہیں۔

سول سوسائٹی اور ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق مسلمان مردوں نے نوجوان عیسائی اور ہندو خواتین کو اغواء کر کے ان کی بے حرمتی کی۔متاثرہ عورتوں کا کہنا ہے کہ انہیں اُن کی مذہبی اقلیتی شناخت کی وجہ سے کمزور سمجھ کر نشانہ بنایا گیا۔7 جون کو حیدر آباد سندھ میں ایک بارہ سالہ ہندو لڑکی بے ہوش حالت میں ملی۔اس لڑکی کی عصمت دری کی گئی تھی۔بعد ازاں پولیس نے دو مشتبہ افراد کو گرفتار کیا۔16 ستمبر کو ایک پچیس سالہ ہندو لڑکی نمرتا چندانی جو لاڑکانہ کے ڈینٹل کالج میں زیر تعلیم تھی اپنے ہوسٹل کے کمرے میں مردہ پائی گئی۔اُس کے اہل خانہ اور سہیلیوں کے مطابق اس قتل کو خودکشی کا رنگ دینے کی کوشش کی گئی تھی۔کالج انتظامیہ نے پہلے کہا تھا کہ اُس نے خودکشی کی ہے لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ نمرتا چندانی کو عصمت دری کے بعد گلہ گھونٹ کر قتل کیا گیا۔سندھ ہائی کورٹ نے اس واقعہ کی عدالتی تحقیقات کرانے کا حکم 18 ستمبر کو دیا اور اخباری اطلاعات کے مطابق بتیس افراد کو پوچھ گچھ کے لئے حراست میں لیا گیا۔لیکن سال کے آخر تک کسی پر فرد جرم عائد نہیں کی جا سکی۔CLAAS نے کئی عیسائی خواتین کے اغواء اور عصمت دری کے بارے میں بتایا۔15 مئی کو شیخوپورہ میں ایک سترہ سالہ عیسائی لڑکی سارہ اسلم کو ایک مسلمان شخص علی رضا نے اغواء کر کے اس کی بے حرمتی کی۔CLAAS کے مطابق کئی عیسائی افراد کی طرف احتجاج اور اس واقعہ کی طرف توجہ مبذول کرانے کے بعد ہی پولیس نے مشتبہ فرد کو گرفتار کیا۔CLAAS اور PCLJ کے مطابق اگرچہ متاثرہ لڑکی نے متعلقہ رپورٹس پولیس کے حوالے کر دی ہیں لیکن چونکہ زنا کے مقدمات ملزم فریق کی طرف سے دھمکیاں دینے، گواہوں کی عدم موجودگی یا پولیس کی طرف سے عدم دلچسپی کے باعث کم ہی سماعت اور فیصلہ کے مرحلوں تک پہنچتے ہیں اسی وجہ سے پولیس اس مقدمہ میں بھی عدم دلچسپی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

CLAAS اور PCLJ کے مطابق یہ اطلاعات بھی ہیں کہ مذہبی اقلیتی خواتین کو مردوں کی پیش قدمی روکنے کی وجہ سے جان لیوا حملوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔10 جولائی کو فیصل آباد میں محمد وسیم نامی ایک شخص نے صائمہ سردار نامی ایک خاتون کو اسلام قبول کرنے اور اُس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار پر گولی مار کر قتل کر دیا۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (HRCP) نے جو ایک قومی غیر سرکاری ادارہ ہے بتایا ہے کہ مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی خصوصاً اندرون سندھ میں نچلی ذات کی ہندو عورتوں کو زبردستی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کرنے کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔اپریل میں شائع ہونے والی اپنی رپورٹ میں HRCP نے بتایا کہ 2018ء کے دوران میں صرف سندھ میں ایک ہزار ہندو اور عیسائی عورتوں کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کے واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔گروپ کے مطابق ہندو لڑکیوں کو اغواء کیا جاتا ہے انہیں زبردستی مذہب تبدیل کر کے مسلمان مردوں سے بیاہ دیا جاتا ہے۔HRCP کی طرف سے لئے انٹرویوز کے مطابق ہندو کیمونٹی کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ اُن کی لڑکیوں کو اُن کی مرضی کے خلاف اغواء کر کے کئی دن کے لئے رکھا جاتا ہے۔بعض اوقات ان کی بے حرمتی بھی کی جاتی ہے اور پھر انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ مذہب تبدیل کرنے پر آمادگی ظاہر کریں۔کچھ رہنماؤں کے مطابق تبدیلی مذہب کی اس مہم کے پیچھے بھر چونڈی شریف کی درگاہ کے متولی میاں مٹھو سمیت دیگر بااثر مسلمان شخصیات شامل ہیں۔جو غربت، کم تعلیم اور سماجی طور پر پسے ہوئے طبقہ سے نکلنے کی خواہش سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔HRCP کی رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بااثر سیاسی اور تجارتی عناصر اپنے مالی مفادات کے پیش نظر زبردستی مذہب تبدیل کرنے کے ان واقعات پر آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔کیونکہ نئے تجارتی راستوں پر کئی نئے مدارس کھل چکے ہیں۔

عیسائی کارکنوں کا بھی کہنا ہے کہ اُن کی کیمونٹی کی نوجوان خواتین کو زبردستی مذہب کرنے کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ CLAAS نے بتایا ہے کہ اس سال کے دوران میں کم از کم پندرہ عیسائی خواتین کو اغواء کر کے زبردستی اُن کا مذہب تبدیل کرایا گیا ہے۔ان میں سے تین خواتین کو عدالت کے حکم پر اُن کے اہل خانہ کو واپس کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر 6 فروری کو ایک چودہ سالہ عیسائی لڑکی صدف خان کو بہاولپور میں اغواء کر کے زبردستی اُس کا مذہب تبدیل کیا گیا اور اُس کا شادی بھی کر دی گئی۔اقلیتوں کے حقوق کا

کارکنان کے مطابق مبشر نامی ایک مسلمان سکول آتے جاتے صدف کو ہراساں کرتا تھا۔ جب صدف کو اسی پریشانی کی وجہ سکول سے ہٹا لیا گیا تو اُس نے اُسے اغواء کرلیا۔ مسیحی حلقوں نے بتایا کہ اس واقعہ کی وجہ سے بہت سے عیسائی خاندانوں پر فرق پڑا ہے اور انہوں نے اپنی بچیوں کو سکولوں سے اٹھالیا ہے۔ سال کے آخر تک کوئی فرد جرم عائد نہیں کی جاسکی تھی اور یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ صدف خان اب بھی اپنے اغواء کنندہ کے قبضہ میں ہے۔

پاکستانی اور عالمی ذرائع ابلاغ کے علاوہ مسیحی کارکنوں نے بتایا ہے کہ نوجوان اور نوعمر عیسائی لڑکیوں کو اُن کی غربت اور بے بسی کے باعث انسانوں کے چینی سمگلروں کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بننا پڑا۔ یہ سمگلر پادریوں اور ان لڑکیوں کے والدین کو بتاتے ہیں کہ وہ ان لڑکیوں کی ایسے چینیوں کے ساتھ شادی کا انتظام کریں گے جو عیسائیت قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن جب ان لڑکیوں کو چین لے جایا جاتا ہے۔ تو پھر ان کے ساتھ ہر طرح کی بدسلوکی روا رکھی جاتی ہے اور بعض صورتوں میں عصمت فروشی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اطلاعات کے مطابق یہ سمگلر پادریوں اور لڑکیوں کے والدین کو باقاعدگی سے رقم پہنچاتے ہیں۔ اور کچھ پادری تو ان خواتین کی سمگلنگ میں معاون تھے۔ مئی میں ایف آئی اے نے پنجاب میں آٹھ چینی اور چار پاکستانی باشندوں کو انسانی سمگلنگ میں ملوث ہونے پر گرفتار کیا۔ ایسوسی ایٹ پریس کے مطابق ستمبر میں ایف آئی اے کے تحقیقات کرنے والوں نے ایک تفصیلی رپورٹ وزیر اعظم عمران خان پیش کی جس میں بتایا گیا تھا کہ اسلام آباد اور پنجاب میں 52 چینی اور 20 پاکستانی باشندے اس گھناؤنے دھندے میں ملوث ہیں۔ اکتوبر میں فیصل آباد میں ایک عدالت نے 31 چینی باشندوں کو اُس وقت رہا کرنے کا حکم دیا جب کئی متاثرہ عورتوں نے پولیس کو بیان دیتے وقت ان الزامات سے انکار کیا۔ اطلاعات کے مطابق انسانی حقوق کے کارکنوں اور حکام نے بتایا ہے کہ حکومت نے چین کے ساتھ تعلقات خراب ہونے کے خدشہ کے پیش نظر ایف آئی اے پر تحقیقات ختم کرنے کے لئے دباؤ ڈالا ہے۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں کیلاش نمائندے مسلسل یہ شکایت کرتے آئے ہیں کہ اُن کے نوجوانوں کو سکولوں کے مسلمان اساتذہ اور دوسرے لوگوں کی طرف سے اپنے روایتی عقائد تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کا سامنا ہے۔

20 مارچ کو بہاولپور کے گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج میں خادم حسین نامی ایک طالب علم نے بیان دیا کہ اُس نے اپنے کالج کے شعبہ انگریزی کے سربراہ خالد حمید کو اسلام کے خلاف باتیں کرنے پر قتل کردیا ہے۔ جب قتل کے بعد خادم حسین سے پوچھا گیا کہ کیا وہ اپنے پروفیسر کو قانونی طور پر پرامن طریقہ سے نہیں روک سکتا تھا تو اُس نے جواب دیا کہ ملک کے قوانین توہین رسالت کرنے والوں کو رہا کررہے ہیں۔ پولیس نے خادم حسین کو گرفتار کرلیا ہے لیکن سال کے آخر تک اُس کے خلاف فرد جرم عائد نہیں کی جاسکی تھی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق تحریک لبیک پاکستان سے وابستہ اور مبلغ اور اس قتل کے اُکسانے والے شخص پر الزام عائد ہی نہیں کیا گیا اور اُس کو ضمانت پر رہا کردیا گیا ہے۔

پورا سال مختلف سیاسی شناخت رکھنے والی اسلامی تنظیمیں ختم نبوت ﷺ کے عقیدے کی حمایت میں جلوس نکالتی اور کانفرنسوں کا اہتمام کرتی رہی ہیں۔ ان جلوسوں اور کانفرنسوں کی خبریں انگریزی اور مقامی اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں اور ان میں احمدیوں کے خلاف سخت اشتعال انگیز زبان استعمال کی جاتی رہی ہے۔

احمدی مسلسل بتاتے رہے ہیں کہ ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو بڑے پیمانے پر جسمانی حملوں، گھروں پر حملوں اور جائیداد کو نقصان پہنچانے اور اپنی ملازمتیں اور شہر چھوڑنے کی دھمکیوں سمیت ہراساں کئے جانے کے واقعات کا سامنا ہے۔ 14 مارچ کو سندھ کے شہر میرپور خاص میں ایک قادیانی شادی کو اُس وقت درہم برہم کردیا گیا جب ایک مسلمان عالم نے عین شادی کے دوران میں شادی ہال کے مالک کو مجبور کیا کہ وہ اپنا ہال خالی کرائے۔ پشاور میں ادویات کی ایک دکان کے مالک کو اپنے تمام ملازمین سے اُس وقت محروم ہونا پڑا جب ختم نبوت کے کارکنوں نے اُسے اور اُسکے عملہ کو دھمکیاں دیں۔ پشاور ہی میں ایک اور احمدی خاندان کے بچوں کو اُن کے عقائد کی وجہ سے ایک نجی سکول سے خارج کردیا گیا۔ 17 جولائی کو وائٹ ہاؤس میں صدر ٹرمپ کے ساتھ مذہبی عقائد کی وجہ سے ستائے جانے والے افراد کی ملاقات میں ایک احمدی سابقہ قیدی عبدالشکور کی موجودگی کے بعد سے احمدیوں کے خلاف نفرت میں بہت زیادہ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ 26 جولائی کو بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے سُنی گروپوں نے ملک بھر میں حکومت کی مبینہ طور پر احمدیوں کے ساتھ نرم رویہ کے خلاف یوم سیاہ منایا اور بڑے شہروں میں جلسے منعقد کئے۔ اگرچہ اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا میں ان

جلوسوں کے بارے خبریں شائع اور نشر نہیں ہوئیں لیکن اس کی تصاویر اور وڈیوز بڑے پیمانے پر سوشل میڈیا پر شیئر ہوتی رہیں۔ احمدیوں کے نمائندوں نے بتایا ہے کہ عبدالشکور کی وائٹ ہاؤس میں ملاقات کے بعد جولائی اور اگست میں احمدیوں کو سماجی طور پر ہراساں کرنے کے واقعات میں بہت زیادہ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ پنجاب کے شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مقامی لوگوں نے ختم نبوت ﷺ کے سلسلے میں ایک جلوس نکالا، انہوں نے ایک احمدی نوجوان کو اپنی ملازمت اور شہر چھوڑنے پر مجبور کیا اور ایک ایسے شخص کے گھر پر حملہ کیا جس نے حال ہی میں قادیانیت قبول کی تھی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اگست میں اسلام آباد بار ایسوسی ایشن نے اپنی رکنیت کے حصول کے لئے یہ شرط عائد کی کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا ہر شخص یہ حلف اُٹھائے گا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی اور رسول ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ نومبر میں اپنے دو ہفتے طویل دھرنے کے دوران میں دینی سیاستدان مولانا فضل الرحمان نے اپنی مختلف تقاریر میں احمدیوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا اور وزیر اعظم عمران خان پر الزام عائد کیا کہ وہ احمدیوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

مسیحی مذہبی آزادی کے کارکن مسلسل یہ اطلاعات دیتے رہے ہیں کہ نجی ملازمتوں میں عیسائیوں کے ساتھ بڑے پیمانے پر امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ عیسائیوں کو معمولی ملازمتوں کے علاوہ روزگار کے مواقع ملنے میں دشواریوں کا سامنا ہے۔ جبکہ ادنیٰ ملازمتوں کے بعض اشتہارات میں یہ بات واضح لکھی جاتی ہے کہ ان کے لئے درخواست صرف عیسائی لوگ ہی دے سکتے ہیں۔ اخبارات کی اطلاعات کے مطابق جاوید مسیح نامی ایک عیسائی مزدور کو اُس کے آجر عباس اولاف نے اُس وقت قتل کر دیا جب اُس نے بتایا کہ وہ اس کی زمینوں پر کام چھوڑ رہا ہے کیونکہ اُس کو کم سے کم مقررہ معاوضہ سے کم معاوضہ دیا جا رہا ہے۔ فیصل آباد میں پنجاب کو وزارت انسانی حقوق و اقلیتی اُمور کے ساتھ کام کرنے والے ایک سماجی کارکن یاسر طالب کا کہنا ہے کہ بہت سے مسلمان مزدور بھی کھیتوں میں کام کرتے ہیں لیکن عیسائی مزدروں کی حالت مسلمان مزدروں کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ خراب ہے۔ نومبر میں ایک عیسائی صحافی خاتون گونیلا گل نے بتایا کہ اُس نے لاہور میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی طرف سے عیسائیت چھوڑنے اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کئے جانے پر اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ انگریزی زبان کے ذرائع ابلاغ مذہبی اقلیتوں کو درپیش مسائل کے بارے خبریں معروضی انداز میں شائع اور نشر کرتے ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں اُردو زبان کے ذرائع ابلاغ مذہبی اقلیتوں کے معاملات کی خبریں شائع اور نشر کرتے وقت تعصب برتتے ہیں۔ کئی واقعات میں ٹاک شوز میں احمدیوں کا تذکرہ سرے سے اُڑا دیا جاتا ہے، اُن کے خلاف توہین آمیز گفتگو کی جاتی ہے۔ یا اقلیتوں کا ذکر تحقیر آمیز لب ولہجہ میں کیا جاتا ہے۔ 17 جولائی کو وائٹ ہاؤس میں مذہبی عقائد کی وجہ سے ستائے جانے والے افراد کی ملاقات میں ایک احمدی سابقہ قیدی عبدالشکور کی موجودگی کے بعد سے فیس بک کے بہت سے صارفین نے احمدیوں کو قتل کرنے کے فریم اپنے پروفائل پر لگائے۔ 31 جولائی کو فیس بک نے ایسے تمام پروفائل ہٹا دیئے اور کہا کہ کمپنی ایسے کسی مواد کو برداشت نہیں کرے گی جو تشدد پر اُکساتا ہو۔

انسانی حقوق، مذہبی آزادی اور مذہبی اقلیتوں کے کارکنان مسلسل یہ بتاتے رہے ہیں کہ سماجی اعتبار سے خوف اور عدم برداشت کے ماحول کی وجہ سے مذہبی آزادی کے حق میں گفتگو کرتے ہوئے وہ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں اور اپنے الفاظ کو سنسر کرتے رہتے ہیں۔ کچھ کارکنان کو اُن کے کام کی وجہ سے موت کی دھمکیاں بھی ملتی رہی ہیں۔

مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں، قبرستانوں اور شعائر پر حملوں کی اطلاعات ملتی رہی ہیں۔ 6 فروری کو صوبہ سندھ کے شہر کمب میں نامعلوم غارت گروں نے ایک ہندو مندر میں داخل ہو کر اُن کے بتوں اور دیگر مذہبی سامان کو آگ لگا دی۔ وزیر اعظم عمران خان نے اس واقعہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے قرآن کی تعلیمات کے منافی قرار دیا۔ اور صوبائی حکومت کو ہدایت کی کہ وہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف فوری اور موثر کاروائی کرے۔ 21 اپریل کو کچھ شر پسند عناصر کراچی میں ایک شیعہ امام بارگاہ میں گھس گئے اور وہاں موجود کتب، مذہبی نشانات اور اہل بیت کے ناموں کو نقصان پہنچایا۔ پولیس نے امام بارگاہ کے متولی کی رپورٹ پر توہین رسالت قوانین کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔ مئی میں پنجاب کے شہر اوکاڑہ میں کچھ شر پسند افراد نے ایک عیسائی قبرستان میں گھس کر صلیبوں کو نقصان پہنچایا اور دو پادریوں کی قبروں کی بے حرمتی کی۔

سیکشن چہارم: امریکی حکومت کی پالیسی اور مصروفیات

امریکہ کے ناظم الامور، قونصل جنرل، سفارت خانہ کے دیگر افسروں اور پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے سینئر امریکی حکام نے توہین رسالت ﷺ قوانین میں اصلاحات، احمدیوں سے متعلق قوانین، مذہبی اقلیتوں کے بہتر تحفظ، فرقہ ورانہ تعلقات اور مذہبی باہمی احترام جیسے اہم موضوعات پر اعلیٰ سرکاری حکام، وزیراعظم کے مشیروں، وزیر انسانی حقوق، وزارت قانون وانصاف، وزارت خارجہ اور وزارت مذہبی اُمور بین المذاہب ہم آہنگی کے حکام سے بات چیت کی۔

فروری میں انٹرنیشنل ریلیجئس فریڈم کے خصوصی ایلچی نے کابینہ کے وزراء، مذہبی رہنماؤں اور سول سوسائٹی کے اراکین سے ملاقات کی۔ خصوصی ایلچی نے انسانی حقوق، قانون وانصاف، خارجہ اور وزارت مذہبی اُمور بین المذاہب ہم آہنگی کے وزراء اور سکریٹری خارجہ سے ملاقاتوں میں ملک کے توہین رسالت ﷺ قوانین، اور ان قوانین کے تحت عمر قید گذارنے والے افراد یا سزائے موت سننے والوں کے ساتھ ساتھ احمدیوں کے خلاف قوانین اور فرقہ ورانہ تشدد پر تشویش کا اظہار کیا۔ خصوصی ایلچی نے مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے اٹھائے جانے والے حکومتی اقدامات مثلاً حکومت کے سربراہ کی طرف سے تشدد، دھمکیوں اور کسی کو اُس کے عقائد کی وجہ سے برا بھلا کہنے کی مذمت کے بیانات کو سراہا۔ خصوصی ایلچی نے مختلف مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں کے ساتھ مذہبی آزادی کی صورت حال اور اسے بہتر بنانے کے اقدامات پر راؤنڈ ٹیبل کانفرنسیں منعقد کیں۔ انہوں نے راولپنڈی میں عیدگاہ شریف کا بھی دورہ کیا اور بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دینے کے اقدامات پر بات چیت کی۔

امریکی حکومت نے سندھ میں پولیس کے لئے انسانی حقوق کی تربیت کا مواد بہتر بنانے کے لئے مالی معاونت فراہم کی۔ یہ تربیت پولیس میں بھرتی ہونے والے نئے ریکروٹوں کے ساتھ ساتھ پہلے سے ملازم پولیس اہلکاروں کو بھی دی جارہی ہے اس تربیت میں انہیں مذہب کی زبردستی تبدیلی کے بارے میں بھی آگاہ کیا جارہا ہے۔ تاکہ مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ میں بہتری لائی جاسکے۔

اپریل میں ناظم الامور نے راولپنڈی میں درگاہ عیدگاہ شریف کا دورہ کیا۔ تاکہ بین المذاہب ہم آہنگی اور جنوبی ایشیائی صوفی اسلام کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔ ناظم الامور اور سفارت خانہ کے دیگر حکام نے سول سوسائٹی اور بین المذاہب ہم آہنگی کے لئے کام کرنے والے کارکنوں کے ساتھ ملاقاتیں تاکہ مذہبی اقلیتوں، دیگر خطرات سے دوچار آبادیوں کی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا جاسکے اور امریکی حکومت کے نمائندوں کے ساتھ مشترکہ کام کرنے کے مواقع کا جائزہ لیا جاسکے۔

اپریل میں کراچی کے قونصل جنرل نے مسلمان، کیتھولک، بوہری اور پارسی افراد پر مشتمل ایک وفد کے ہمراہ بین المذاہب ہم آہنگی اور مذہبی آزادی منانے کے لئے کراچی میں مختلف مذہبی مقامات کا دورہ کیا۔ اس دورے میں برطانیہ، جرمنی، اومان، متحدہ عرب امارات اور جاپان کے سفارت کار بھی شامل تھے۔ 22 نومبر کو ناظم الامور اور پشاور کے قونصل جنرل نے پشاور کی تاریخی مسجد مہابت خان میں مسلمان علماء اور عیسائی پادریوں کے ساتھ مذہبی آزادی اور باہمی احترام کے موضوعات پر بات چیت کی۔

سفارتخانہ کے حکام نے سول سوسائٹی کے رہنماؤں، ماہرین اور صحافیوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور فرقہ ورانہ کشیدگی کم کرنے کے اقدامات کی اعانت جاری رکھنے کا اعادہ کیا۔ انہوں نے دیگر سفارتخانوں کے نمائندوں، مذہبی برادریوں کے رہنماؤں، این جی اوز اور مذہبی آزادی پر کام کرنے والے وکلاء کے ساتھ بھی ملاقاتیں کیں اور مختلف مذاہب کے مابین باہمی احترام اور بات چیت کے فروغ کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا۔ محکمہ خارجہ کے پروگرام مختلف مذاہب کے رہنماؤں کے مابین امن وامان کو فروغ دینے میں ممد ومعاون ثابت ہورہے ہیں۔

وزیر خارجہ نے مئی میں آسیہ بی بی کی پاکستان سے بحفاظت روانگی پر اطمینان کا اظہار کیا اور انٹرنیشنل ریلیجئس فریڈم کے خصوصی ایلچی نے 23 دسمبر کو توہین رسالت ﷺ کے مقدمہ میں جنید حفیظ کو سنائی جانے والی سزائے موت پر تشویس کا اظہار کیا۔ سفارتخانہ نے سارا سال مذہبی آزادی اور باہمی احترام کے بارے میں وڈیوز جاری کیں۔

۱۸دسمبر کو وزیر خارجہ نے 1998ء کے ترمیم شدہ انٹرنیشنل ریلیجئس فریڈم ایکٹ کے تحت پاکستان کو مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں کا قلع قمع کرنے کی کوششوں میں مصروف خصوصی تشویش رکھنے والا ملک قرار دیا۔اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اہم قومی مفادات کے تحت عائد کی جانے والی پابندیوں کے عدم اطلاق کا اعلان کیا۔

****